ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
30
www.tanzeem.org
25 شوال المکرّم تا یکم ذوالقعدہ 1436ھ/11 تا 17 اگست 2015ء

حقیقی آزادی

اسلام انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر خدائے واحد و قدوس کی بندگی میں لے آتا ہے۔ انسان اپنے پورے مفہوم کے ساتھ کبھی روئے زمین پر نہیں پایا گیا مگر اُسی وقت جب اس نے اپنی گردن اور اپنی پوری زندگی سے انسانوں کی غلامی کا جوا اتار پھینکا اور اس کا ضمیر اور اعتقاد انسانی تسلط و استیلاء سے آزاد ہو گئے۔

اسلام ہی وہ دین ہے جو تشریع اور حاکمیت کے تمام اختیارات کو صرف خدا کے لئے مانتا ہے اور اللہ کے بندوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر خدا کی غلامی میں لے آتا ہے۔ انسانوں نے روئے زمین پر قانون سازی اور حاکمیت کے لئے جتنی ایسی تنظیمیں قائم کی ہیں جن میں زمام اختیار انسانوں کے سپرد کر دی، درحقیقت انسانوں کی غلامی کی ذلت اپنے اوپر ڈال دی۔ جبکہ اسلام اور صرف اسلام انسانوں کو ذلت کی ان اتھاہ گہرائیوں سے نکال کر خدا کی غلامی کے باوقار اور پُرعظمت تخت پر بٹھا دیتا ہے۔

یہ انسان کی حقیقی آزادی کا اعلان ہے اور یہی انسان کے ظہور کا اعلان ہے۔ اس سے پیشتر انسانی وجود اپنی انسانیت کے کمال کے ساتھ کہیں بھی موجود نہ تھا۔ ربعی بن عامر جو لشکر اسلام کے قائد تھے، جب سپہ سالار فارس رستم کے پاس قاصد بن کر گئے تو اس نے پوچھا: ''تمہیں یہاں تک کیا شے لے آئی ہے؟'' آپؓ نے فرمایا: ''ہمیں اللہ نے بھیجا، اور اس مقصد کے لئے بھیجا کہ ہم بنی نوع انسان کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر خدائے واحد کی بندگی میں لے آئیں، اور انہیں دنیا کی تنگیوں سے دنیا و عقبیٰ کی وسعتوں کی طرف اور ادیانِ باطلہ کے ظلم و جور سے اسلام کے عدل و انصاف کی طرف نکال لے جائیں۔''

سید قطب شہیدؒ

اس شمارے میں

ملاّ عمر کی رحلت اور کالم نگار کا المیہ

اللہ عزوجل کی قدرتِ کاملہ

تحریک پاکستان: علماء کی مختلف آراء

جوڈیشل کمیشن کی رپورٹ

اسلام میں سیاست مذہب کے تابع ہے

آزادیٔ وطن کی کہانی......

زنا اور قتلِ ناحق بڑے گناہ

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃ بَنِیۤ اِسْرَاءِیل | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ | آیات: 32، 33

وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً ؕ وَسَآءَ سَبِیۡلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالۡحَقِّ ؕ وَمَنۡ قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا فَقَدۡ جَعَلۡنَا لِوَلِیِّہٖ سُلۡطٰنًا فَلَا یُسۡرِفۡ فِّی الۡقَتۡلِ ؕ اِنَّہٗ کَانَ مَنۡصُوۡرًا ﴿۳۳﴾

آیت ۳۲ ﴿وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی﴾ ''اور زنا کے قریب بھی مت جاؤ''

یہاں ''زنا مت کرو'' کے بجائے وہ حکم دیا جا رہا ہے جس میں انتہائی احتیاط کا مفہوم پایا جاتا ہے کہ زنا کے قریب بھی مت پھٹکو۔ یعنی ہر اس معاملے سے خود کو محفوظ فاصلے پر رکھو جو تمہیں زنا تک لے جانے یا پہنچانے کا سبب بن سکتا ہو۔

﴿اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً ؕ وَسَآءَ سَبِیۡلًا ﴿۳۲﴾﴾ ''یقیناً یہ بہت بے حیائی کا کام ہے' اور بہت ہی برا راستہ ہے۔''

آیت ۳۳ ﴿وَلَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالۡحَقِّ ؕ﴾ ''اور مت قتل کرو اس انسانی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ۔''

یہاں ''حق'' سے مراد چند وہ صورتیں ہیں جن میں انسانی جان کا قتل جائز ہے۔ ان میں خون کا بدلہ خون' اسلامی ریاست میں مرتد کی سزا موت' شادی شدہ زانی اور زانیہ کا رجم اور حربی کافر کا قتل شامل ہے۔

﴿وَمَنۡ قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا فَقَدۡ جَعَلۡنَا لِوَلِیِّہٖ سُلۡطٰنًا﴾ ''اور جسے قتل کر دیا گیا مظلومی میں' تو اس کے ولی کو ہم نے اختیار دیا ہے''

اسلامی قانون میں مقتول کے ورثاء کو اختیار ہے کہ وہ جان کے بدلے جان کی سزا پر اصرار کریں یا معاف کر دیں یا پھر خون بہا لے لیں۔ کسی عدالت یا سربراہِ مملکت کو اس میں کچھ اختیار نہیں۔

﴿فَلَا یُسۡرِفۡ فِّی الۡقَتۡلِ ؕ﴾ ''تو وہ بھی قتل میں حد سے تجاوز نہ کرے۔''

یعنی جان کے بدلے جان کا فیصلہ ہو تو اس میں تجاوز کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک آدمی کے بدلے مخالف فریق کے زیادہ لوگ قتل کر دیے جائیں۔

﴿اِنَّہٗ کَانَ مَنۡصُوۡرًا ﴿۳۳﴾﴾ ''اُس کی مدد کی جائے گی۔''

مقتول کے ورثاء کی مدد کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔ قتل کے مقدمات میں ریاست یا حکومت مدعی نہیں بنے گی' بلکہ مقتول کے ورثاء ہی مدعی ہوں گے۔ ہمارے ہاں جو ''سرکار بنام فلاں'' کے عنوان سے مقدمہ بنتا ہے وہ معاملہ سراسر غیر اسلامی ہے۔

فرمان نبویؐ

سب سے زیادہ مبغوض کون؟

عَنْ عَائِشَۃَ ؓ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((اِنْ اَحَدٍ اَغْیَرُ مِنَ اللّٰہِ اَنْ یَّزْنِیَ عَبْدُہٗ اَوْ تَزْنِیَ اَمَتُہٗ)) (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ سے زیادہ کوئی غیور نہیں ہے اس بات پر کہ اس کا بندہ یا لونڈی زنا کرے۔''

○○○

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((اَبْغَضُ النَّاسِ اِلَی اللّٰہِ ثَلَاثَۃٌ مُلْحِدٌ فِی الْحَرَمِ وَمُبْتَغٍ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِءٍ بِغَیْرِ حَقٍّ لِیُھَرِیْقَ دَمَہٗ)) (صحیح بخاری)

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں میں سب سے زیادہ مبغوض (یعنی برا) اللہ کے ہاں تین شخص ہیں، حرم میں ظلم کرنے والا، اسلام میں جاہلیت کا طریقہ تلاش کرنے والا، اور کسی شخص کا خون ناحق طلب کرنے والا، تاکہ اس کا خون بہائے۔''

ہفت روزہ لاہور

ندائے خلافت

تا خلافت کی بنا دُنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب

بانی: اقتدار احمد مرحوم

25 شوال المکرم تا کیم ذوالقعدہ 1436ھ جلد 24
11 تا 17 اگست 2015ء شمارہ 30

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

مدیر: ایوب بیگ مرزا

نائب مدیر: محمد خلیق

ادارتی معاون: فرید اللہ مروت

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:

67-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 36316638-36366638-
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور-54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا------------------ (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
مرزا ایوب بیگ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملاّ عمر کی رحلت اور کالم نگار کا المیہ

مُلاّ عمر رحلت فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اُن کے انتقال پُر ملال کی خبر بجلی بن کر دل و دماغ پر کوندگئی۔ دل کا غنچہ مرجھا گیا، لیکن اچانک قرآن کریم کی سورۃ رحمان کی طرف ذہن منتقل ہوا: ﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (٢٦) وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ (٢٧) ﴾ جس نے ذہن کو سکون دیا۔ یقیناً موت اس کائنات کی سب سے بڑی اور اٹل حقیقت ہے جس سے ہر ذی روح ہی نہیں ہر ذی جان کو بھی پالا پڑے گا۔ بہر حال مسافر نے منزل پالی۔ ہمیں ہی نہیں شاید اُن کے قریبی چند ساتھیوں اور اہل خانہ کے سوا کسی کو بھی اُن کا آخری دیدار نصیب نہیں ہوا لیکن ہم تصور میں ہی اُس ہستی کا دیدار کرتے رہے جس کی ذات سے اکیسویں صدی کے دجالی دور میں ایک معجزہ رونما ہوا اور اِسی تصور میں علامہ اقبال کا یہ شعر بار بار ہمارے لبوں پر آ تا رہا:

نشانِ مردِ مومن باتو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

ملاّ عمر ایک بندۂ رب، ایک مردِ درویش، مرد قلندر اور سرتا پا مجاہد تھے جنہوں نے مصنوعی روشنیوں سے چمکتی دمکتی آج کی دنیا میں فقیر بن کر بادشاہی کی اور بطور حکمران اپنے عہد حکومت کے چار سال میں سادگی اور قیام عدل کی ایسی ایسی روایات قائم کیں جنہیں بلاشبہ اور بلا خوفِ تردید اسلام کے ابتدائی تابناک دور کا صحیح عکس کہا جاسکتا ہے۔ ہم قطعی طور پر اس بحث میں الجھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے کہ طالبان افغانستان نے ملاّ عمر کی موت کو کیوں چھپایا، کس کتاب میں لکھا ہے کہ کسی کی بھی موت کا خصوصاً اپنے قائد کی موت کا لازماً ڈھنڈورا پیٹو۔ افغان طالبان ایک جابر اور غاصب قوت کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ وہ ان پردیسیوں اور خارجیوں کو اپنے دیس سے نکال باہر کرنا چاہتے ہیں جو افغانوں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رکھنا چاہتے ہیں۔ اُن کی موت کو صیغہ راز میں رکھنا ایک سٹریٹیجی تھی۔ ایک حکمت عملی تھی جو اُنہوں نے اپنائی۔ اصل سوال تو یہ ہے کہ امریکہ جو سپریم پاور آف دی ورلڈ ہونے کا دعویدار ہے اور اپنے چالیس سے زاید حلیف ممالک کے ساتھ پندرہ سال سے افغانستان کی چٹانوں سے سر پٹخ رہا ہے۔ اُن کا دعویٰ ہے کہ وہ ٹیکنالوجی میں اس قدر ترقی کر چکے ہیں کہ فضاؤں میں تیرتے ہوئے زمین پر رینگتی چیونٹیوں پر نگاہ رکھتے ہیں اور زیر زمین دھاتوں کا وزن کر سکتے ہیں، وہ سوا دو سال اس خبر سے بے خبر کیسے رہے کہ اُن کا بدترین دشمن اب دنیا میں نہیں رہا؟ اس سوال کا جواب اُس سیکولر طبقہ کو بھی دینا ہوگا جس کا تعلق تو مسلمانوں سے ہے لیکن وہ مغرب کی ترقی سے اس قدر مرعوب ہے کہ اُن کی طرف سے آئی ہوئی بات اور اُن کے ہر دعویٰ پر فوراً ایمان لے آتا ہے۔ اس طبقے کے افراد اب اس پروپیگنڈا پر بغلیں بجا رہے ہیں کہ ملاّ عمر کی وفات کے بعد نئے امیر کے تقرر کے حوالہ سے طالبان میں شدید اختلافات پیدا ہو گئے ہیں اور وہ باہم جنگ وجدل کی طرف بڑھ رہے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جس طرح انسانوں کی جسمانی ساخت اور چہرے مختلف ہوتے ہیں اسی طرح مزاج، ذہن اور زاویہ نگاہ بھی مختلف ہوتا ہے، لہٰذا کسی درجہ میں اختلاف کا پیدا ہو جانا تو فطری بات ہے لیکن ہمیں اللہ کی رحمت سے یقین واثق ہے کہ افغان طالبان جلد اس مسئلہ پر متفق ہو جائیں گے اور کفار و منافقین کی یہ خواہش پوری نہیں ہوگی کہ افغان طالبان باہم دست و گریبان ہوں،

ان شاء اللہ۔ ہمارے لیے اس وقت اس سے زاید کچھ کہنا قبل از وقت اور غیر ضروری ہوگا کہ ملاّ منصور اختر افغان طالبان کے نئے امیر مقرر ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ افغان طالبان کو جو افغانستان میں اللہ کے پسندیدہ دین کو نافذ کرنے کے لیے جان و مال کی قربانیاں دے رہے ہیں، اپنے حفظ و امان میں رکھے اور سب کو ایک امیر پر جمع کر دے تاکہ وہ یکسو ہو کر سفید سامراج کے خلاف اپنے جہاد کو منزل پا لینے تک جاری رکھیں۔ آمین ثم آمین!

ہم خود کو اُن تمام ذہنی قلابازیوں سے الگ رکھتے ہیں جو بعض پاکستانی دانشور افغان طالبان اور افغانستان کے حوالہ سے لگا رہے ہیں۔ صرف یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ یہ امت مسلمہ کے مستقبل کے حوالہ سے ایک انتہائی اہم اور حساس مسئلہ ہے۔ لہٰذا غیر واضح صورت حال میں قیاس آرائیاں کرنا اور غیر تصدیق شدہ خبروں پر تبصرہ کرنا دوستی نہیں، دشمنی ہے۔ البتہ ایک جدت پسند دانشور نے اپنے کالم میں ملاّ عمر کی جدوجہد پر انتہائی غیر حقیقت پسندانہ تبصرہ ”ملاّ عمر کا المیہ“ کے عنوان سے کیا ہے، اُس کا جواب دینا ہمارا فرض ہے۔ ان صاحب نے ملاّ عمر سے ظاہراً بڑی محبت اور کسی حد تک عقیدت کا اظہار بھی کیا ہے لیکن اپنے ترکش کے تمام تیران پر برسائے ہیں۔ خاص طور پر ان کا وہ جملہ ہمارا سینہ چیر گیا جو انہوں نے ملاعمر پر بالواسطہ لکھا ہے: ”دل ان کی عزیمت پر رشک اور ان کی بصیرت پر ماتم کرتا ہے“۔ اگرچہ کالم نگار کے اٹھائے ہوئے ہر ہر نکتہ کا تفصیلی جواب دیا جا سکتا ہے لیکن ہفت روزہ جریدہ کی تنگ دامنی کا مسئلہ ہے، البتہ ان کی تحریر کے جس حصہ میں ملاعمر کی بصیرت پر سوالیہ نشان لگایا گیا ہے اس کا جواب دیے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ کالم نگار لکھتے ہیں: ”اگر اسامہ امریکہ کے حوالے کر دیا جاتا تو آج کی دنیا وہ نہ ہوتی جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ افغانستان اور پاکستان کے وجود سے اس طرح لہو نہ رستا۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ اسامہ کا انجام یہ ہوتا نہ ملاعمر کا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اسامہ اپنی جان دے کر اُمت مسلمہ کو عذاب سے محفوظ کر سکتے تو یہ ان کی ایک خدمت ہوتی۔ افسوس کہ ملاعمر نے روایت کو اور اسامہ نے جذبات کو ترجیح دی۔ کوئی اس پیغمبرانہ بصیرت سے فیض نہ پا سکا جس نے صلح حدیبیہ میں ظہور کیا جب اللہ کے رسولؐ نے ابو جندل کو مشرکین کے حوالے کر دیا“۔

ہمارے جدت پسند دانشوروں کا ایک بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ انہیں اسلامی تاریخ میں صرف اور صرف صلح حدیبیہ نظر آتی ہے جبکہ نبی اکرم ﷺ کا صلح حدیبیہ کی تجدید سے انکار ہو یا درجنوں غزوات ہوں یا صحابہ کرامؓ کے دور میں کیے جانے والا جہاد و قتال ہو ان دانشوروں کو نظر نہیں آتا یہ تاریخی حقائق وہ نظر انداز کر دیتے ہیں اور اُن کے دل اندھے اور ذہن مفلوج ہو جاتے ہیں۔ بہر حال تاریخ سے نابلد یہ مرعوب اور غلامانہ ذہنیت کے حامل نام نہاد دانشور جب موجودہ عالمی حالات کو مغرب کی عطا کردہ عینک لگا کر دیکھتے ہیں تو ہم بھی اظہار افسوس اور ان کی فکر اور بصیرت پر ماتم کرنے کے سوا کیا کر سکتے ہیں، لیکن ہم انہیں کسی صورت تاریخ کو مسخ کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ اسامہ کی امریکہ کو سپردگی کے حوالہ سے حقیقت یہ ہے کہ جب ملاّ عمر پر اس حوالہ سے عالمی سطح پر خصوصاً پاکستان کی طرف سے شدید دباؤ ڈالا گیا کہ وہ اسامہ کو امریکہ کے حوالے کر دیں تو انہوں نے کمال حکمت اور اعلیٰ بصیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود فیصلہ کرنے کی بجائے افغانستان اور پاکستان سے ایک ہزار (1000) علماء کو اکٹھا کیا اور ان سے مشورہ مانگا کہ آیا اسامہ کو امریکہ کے حوالے کیا جائے یا نہیں۔ تین دن تک یہ علماء سر جوڑ کر بیٹھے رہے۔ بالآخر انہوں نے ملاّ عمر کو مشورہ دیا کہ اسامہ کو امریکہ کے حوالے تو نہ کیا جائے لیکن انہیں افغانستان سے نکال دیا جائے۔ اس پر امریکہ نے اسی روز بغیر وقت ضائع کیے وائٹ ہاؤس میں صحافیوں کو پریس بریفنگ کے لیے بلایا اور واضح طور پر کہا کہ اگر اسامہ افغانستان سے نکل بھی جاتا ہے تب بھی امریکی فوج کا افغانستان میں داخل کرنا لازم ہے اس لیے کہ ہمیں وہاں سے القاعدہ نیٹ ورک کو ختم کرنا ہے۔ گویا یہ بات ثابت ہوگئی کہ اسامہ کی سپردگی کا مطالبہ عذر لنگ تھا۔ امریکہ کو ہر صورت افغانستان آنا تھا اس لیے کہ ایک ایسی اسلامی حکومت کا خاتمہ ضروری تھا جو اپنے سنہری کارناموں کے حوالہ سے خطے میں دوسرے ممالک کے لیے مثال بن کر سرمایہ دارانہ نظام کے لیے خطرہ پیدا کر سکتی تھی۔ امریکہ کا افغانستان آنا اس لیے بھی ضروری تھا کہ عربوں کے سیال سونا پر ہاتھ صاف کرنے کے بعد اس کی نظریں وسطی ایشیا کی نو آزاد ریاستوں کی معدنی دولت پر لگی ہوئی تھیں۔ پھر یہ کہ اسے چین کا محاصرہ کرنا تھا۔

ہماری رائے میں امریکہ کے لیے اسامہ کو گرفت میں لینا سرے سے کوئی مسئلہ تھا ہی نہیں۔ دراصل خطے میں اپنی چودھراہٹ اور قدرتی دولت کی لوٹ مار کے لیے وہ افغانستان میں جم کر بیٹھنا ناگزیر سمجھتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ کالم نگار کو غامدیت کا موذی مرض بری طرح لاحق ہے۔ ہم ملاعمر کی مغفرت اور بلند درجات کے لیے دعا کرتے ہیں اور کالم نگار کے لیے بھی کہ وہ غامدیت کے کینسر سے نجات پائیں اور انہیں اللہ جسمانی اور روحانی لحاظ سے شفائے کاملہ اور عاجلہ عطا فرمائے۔

مسلمانان پاکستان کے لیے بھی لمحہ فکر یہ ہے۔ آیئے غور کریں! پاکستان افغانستان کی نسبت ایک ترقی یافتہ ملک ہے۔ پاکستان دنیا کی چھٹی ایٹمی قوت ہے۔ پاکستان ایک نظریہ کی بنیاد پر معرضِ وجود میں آیا تھا۔ اگر ہم مسلمانانِ پاکستان اللہ پر بھروسا کرتے ہوئے وطن عزیز میں اسلام کا عادلانہ نظام رائج کریں گے تو دنیا کی کون سی طاقت ہمیں اس طرف بڑھنے سے روک سکتی ہے۔ افغان طالبان ایک روز افغانستان کو دوبارہ امارت اسلامیہ میں تبدیل کر لیں گے ان شاء اللہ۔ ہم اگر پاکستان کو اسلامی فلاحی ریاست نہ بنا سکے تو اپنے وجود کو جسے پہلے ہی درجنوں امراض لاحق ہو چکے ہیں، کیسے زندہ و تابندہ رکھ سکیں گے؟ پھر یہ کہ روز قیامت اللہ رب العزت کو کیا جواب دیں گے کہ کیوں ہم پاکستان کا مطلب لا الٰہ الا اللہ کے نعرہ سے دستبردار ہوئے؟ ہمیں پاکستان میں اس کے لیے پُر امن جدوجہد کرنا ہوگی اس لیے کہ یہ دنیا میں ہمارے وجود کا جواز ہے اور آخرت میں ہماری نجات کا ذریعہ۔

اللہ عزوجل کی قدرتِ کاملہ

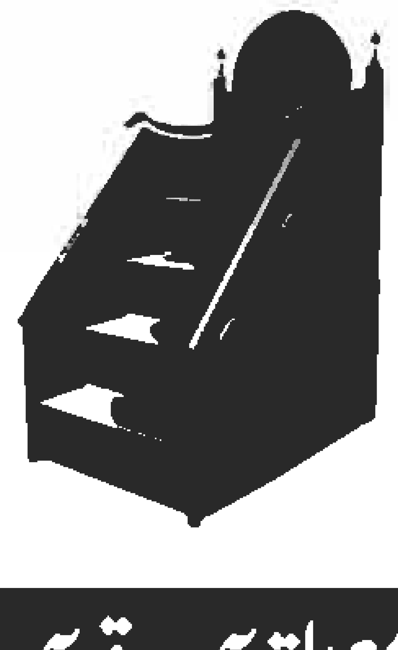

(سورۃ الملک کی روشنی میں)

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، لاہور میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ کے 31 جولائی 2015ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

مرتب: حافظ محمد زاھد

حضرات! قرآن مجید کی آخری منزل (حزب) کا سلسلہ وار مطالعہ گزشتہ ایک سال سے جاری ہے اور اس ضمن میں آج ہم سورۃ الملک کا مطالعہ کریں گے۔

سورۃ الملک کا مطالعہ شروع کرنے سے پہلے ہم چند باتوں کا اعادہ کر لیتے ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ قرآن مجید کے سات احزاب (منزلیں) ہیں اور اس تقسیم کے اندر سورتوں کی فصیل نہیں ٹوٹتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے دور میں یہی تقسیم تھی اور اس تقسیم کے پس منظر میں یہ فلسفہ کارفرما ہے کہ ایک ہفتے میں پورے قرآن مجید کی تلاوت مکمل ہو جائے۔ بعد کے دور میں جذبہ ایمانی میں کمی آ جانے کے بعد مسلمانوں نے ایک مہینے میں قرآن کی تلاوت مکمل کرنے کے لیے اسے 30 حصوں (سیپاروں) میں تقسیم کر دیا لیکن اس تقسیم میں اکثر بڑی سورتوں کو کاٹا گیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید کے آخری حزب کا آغاز سورۃ قٓ سے ہوتا ہے اور اس میں زیادہ تر مختصر سورتیں ہیں۔ یہ قرآن کا وہ حصہ ہے جو مکی دور کے بالکل آغاز میں نازل ہوا۔ اس میں اصل زور ایمانیات پر ہے اور یہ باور کرایا گیا ہے کہ اصل زندگی آخرت کی ہے اور یہ دنیوی زندگی تو مختصر سا وقفہ اور امتحان گاہ ہے۔ پھر اس حصے میں فصاحت و بلاغت بھی جوش مارتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان سورتوں کو سننے کے بعد اہل عرب، اہل زبان ہونے کے باوجود بے اختیار پکار اٹھتے تھے کہ یہ انسانی کلام نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ فصاحت و بلاغت کے حوالے سے یہ قرآن مجید کا بہت خوبصورت حصہ ہے۔ مولانا حالی نے کہا تھا:

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی!

ہم نے خطابات جمعہ میں مطالعہ قرآن حکیم کا آغاز اسی حزب یعنی سورۃ قٓ سے شروع کیا تھا اور رمضان سے قبل سورۃ التحریم مکمل ہو چکی تھی۔ آج 29 ویں پارے کی پہلی سورت، سورۃ الملک ہمارے زیر مطالعہ ہے۔ یہ سورت توحید کا ایک بہت بڑا خزانہ ہے اور اس میں مکی دور کی دعوت کا خلاصہ موجود ہے۔ سورت کی ابتدا بہت ہی پُر وقار انداز میں ہوتی ہے۔ فرمایا:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ①﴾

''بہت ہی بابرکت ہے وہ ہستی جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

یہ بہت ہی شاہانہ انداز کلام ہے۔ یہ انداز اس سے پہلے قرآن مجید میں تین مرتبہ آ چکا ہے اور تینوں دفعہ ایک ہی سورۃ یعنی سورۃ الفرقان (آیات 1، 10 اور 61) میں آیا ہے اور اب چوتھی مرتبہ سورۃ الملک میں آیا ہے۔ اس میں فرمایا گیا کہ بہت ہی بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں کل حکومت اور کل اختیار ہے۔ اور پوری کائنات میں جو بھی انتظامی معاملات اور تکوینی امور سرانجام پا رہے ہیں، ان سب کے پیچھے ایک ہی ہستی ہے اور وہ اللہ عزوجل کی ذات عالی ہے۔

اس سے ان فلسفوں کی تردید ہو جاتی ہے جن کے مطابق اس کائنات کا کوئی خالق تو ہے، لیکن تخلیق کے بعد اب یہ کائنات اپنے ہی لگے بندھے اصولوں کے تحت چل رہی ہے اور اب اس خالق کا اس کائنات پر کوئی کنٹرول نہیں ہے۔ یہ فلسفیانہ تصور ہے اور قرآن اس تصور کی شدت سے نفی کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ایسی بہت سی آیات ہیں جن میں یہ بیان ہوا ہے کہ پوری کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ عزوجل کے اذن سے ہو رہا ہے اور ہر شے اس کے علم میں ہے۔ مثلاً سورۃ الانعام میں فرمایا:

﴿وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (59)﴾

''اور نہیں گرتا کوئی ایک پتا بھی (کسی درخت سے) مگر وہ اُس کے علم میں ہوتا ہے اور نہیں (گرتا) کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں، اور نہ کوئی تر و تازہ اور نہ کوئی سوکھی چیز، مگر ایک کتاب مبین میں (سب کی سب) موجود ہیں۔''

زیر مطالعہ سورۃ الملک کی ابتدائی آیت کے پہلے حصہ میں اس عالی ذات ہستی کا تعارف کرایا گیا ہے اور آخری حصہ میں اس کے قادر مطلق ہونے کو بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ اگلی آیات میں اس کی قدرت کو مختلف انداز اور پیرائے میں بیان کیا جا رہا ہے۔

آیت 2 میں فرمایا: ﴿اَلَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ......﴾ ''(اللہ ہی وہ ذات ہے) جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا.....'' مختلف عناصر جب ایک خاص ترکیب سے مجتمع ہوتے ہیں تو وہ حیات کی شکل بن جاتے ہیں اور وہی عناصر جب منتشر ہوتے ہیں اور ان کے اندر موجود ایک خاص ردھم ختم ہو جاتا ہے تو انسان کی زندگی ختم ہو جاتی ہے اور اسی کو موت کہتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ زندگی اور موت دونوں اللہ کی تخلیقات

ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ زندگی کا ہی تسلسل رہتا اور موت آتی ہی نہ۔ جیسے اُخروی زندگی ابدی ہو گی اور اہل جنت' جنت میں ہمیشہ رہیں گے اور انہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔ گویا ایسی زندگی بھی ہو سکتی تھی کہ جس کا کوئی اختتام نہ ہوتا' لیکن اللہ نے اس سلسلے کو موت کے ذریعے کاٹ دیا ہے۔

حقیقت میں تو حیات کا سفر بہت طویل ہے' مگر ہم اتنا ہی جانتے ہیں کہ فلاں شخص کی فلاں تاریخ کو ولادت ہوئی تھی اور فلاں تاریخ کو اس کا انتقال ہو گیا تھا۔ لیکن ہم مسلمانوں کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ لہٰذا یہاں موت واقع ہونے سے زندگی نہیں' بلکہ زندگی کا ایک فیز ختم ہوتا ہے۔ اس کے بعد ایک فیز قبر میں ہوگا اور اس کے بعد دوبارہ زندہ کر کے تمام بنی نوع انسان کو میدانِ حشر میں جمع کیا جائے گا اور وہاں سے جو زندگی شروع ہو گی وہ ابدالآباد تک رہے گی اور اس کا کوئی اختتام نہیں ہے۔ اقبال نے کہا کہ:

تو اسے پیمانہ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں' پیہم دواں' ہر دم جواں ہے زندگی!

یہ زندگی تو مسلسل چل رہی ہے' ہاں انسان ابھی تک اس سے واقف نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سلسلہ موت و حیات اس لیے تخلیق کیا تاکہ وہ انسانوں کو آزمائے کہ کون عمل کے اعتبار سے اچھا ہے اور کون برا۔ فرمایا:

﴿الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۝۲﴾

''(اللہ ہی وہ ذات ہے) جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے اعمال کرنے والا ہے۔ اور وہ بہت زبردست بھی ہے اور بہت بخشنے والا بھی۔''

گویا زندگی کا یہ وقفہ امتحان ہے۔ اقبال نے اس کو بڑی خوبصورتی سے اپنے شعر میں سمویا ہے:

قلزمِ ہستی سے تو اُبھرا ہے مانندِ حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی!

انسان کی زندگی حباب یعنی بلبلے کی مانند ہے اور کسی کو کچھ نہیں پتا کہ کس وقت یہ بلبلا پھٹ جائے اور اس کی زندگی کا اختتام ہو جائے۔ لہٰذا اس زندگی کو امتحان سمجھو اور اس کی کامیابی کے لیے تگ و دو کرو۔ سورۃ الانبیاء میں بھی یہ مضمون آیا ہے۔ فرمایا: ﴿وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَةً ؕ﴾ ''اور ہم آزماتے رہتے ہیں تم لوگوں کو شر اور خیر کے ذریعے سے''۔ یعنی انعامات کی بارش ہونا یا سخت حالات کا آ جانا' یہ سارا کا سارا آزمائش کے لیے ہے۔ یہاں یہ نہیں ہے کہ جس کو زیادہ مل گیا اس پر اللہ کا بڑا کرم ہو گیا اور اب وہ آنکھیں بند کر کے اپنے راستے پر چلتا رہے۔ ہرگز نہیں! یہاں پر جس کو زیادہ ملا ہے اس کا امتحان اتنا ہی زیادہ سخت ہے بایں طور کہ اللہ نے ایک ایک پائی کا حساب لینا ہے اور جس کو کم ملا ہے وہ سہولت میں ہے۔ لہٰذا یہاں کی کامیابی پر نہ جاؤ اس لیے کہ کمرۂ امتحان میں کوئی کامیابی نہیں ہوتی' بلکہ امتحان کے بعد اعلان کیا جاتا ہے کہ کون کامیاب ہے اور کون ناکام۔ آج پوری دنیا بھولی ہوئی ہے کہ اللہ نے ہمیں اس دنیا میں کیوں بھیجا ہے۔ آپ ایک ایسے طالب علم کا تصور کریں جو اپنی زندگی کا اہم ترین امتحان دینے کے لیے امتحان گاہ میں موجود ہو' لیکن وہ یہ بھول جائے کہ میں امتحان کے لیے آیا ہوں اور وہاں موجود کسی اور کام میں مگن ہو جائے۔ تو ہر شخص اس کی حالت پر افسوس کرے گا۔ اسی طرح آج ہم اپنی آخرت کو بھول کر دنیا کی رنگینیوں میں گم ہو کر اپنی عاقبت برباد کر رہے ہیں اور ہمیں اس کا شعور اور احساس تک نہیں ہے۔ ہمیں یاد ہی نہیں ہے کہ ہم امتحان گاہ میں ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہمیں مکمل طور پر کامیابی کا راستہ بھی بتا دیا ہے' لیکن ہم اس کو نظرانداز کر کے چل رہے ہیں اور ہم دنیا کی ہی کامیابی کو ترجیح دے رہے ہیں اور آخرت کو

پریس ریلیز 7 اگست 2015ء

حکومت کا الطاف حسین کو غدار قرار دینا اور سپیکر ایاز صادق کا ان سے رابطہ کرنا حکومت کی دوغلی پالیسی کی نشان دہی کرتا ہے

ہماری دنیوی اور اخروی فلاح اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قیام میں مضمر ہے

حافظ عاکف سعید

الطاف حسین کے بیان سے بلی تھیلے سے باہر آ گئی ہے۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے قرآن اکیڈمی لاہور میں خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم قطعی طور پر کسی بھی فرد یا سیاسی جماعت سے زیادتی کے حق میں نہیں لیکن ہمیں اپنے اختلافات اور تنازعات کو اندرون ملک باہمی گفت و شنید سے حل کرنا ہوں گے۔ کسی دوسرے ملک خصوصاً بھارت جیسے ازلی دشمن سے اندرونی معاملات میں مداخلت کی درخواست کرنا قوم و ملک سے غداری کے مترادف ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ ایک طرف حکومت کا الطاف حسین کو غدار قرار دینا اور دوسری طرف سپیکر ایاز صادق کا الطاف حسین سے رابطہ کرنا اور سیاسی مدد طلب کرنا یقیناً حکومت کی دوغلی پالیسی کی نشان دہی کرتا ہے۔ اکیسویں ترمیم کے حوالہ سے عدالت عظمیٰ کے فیصلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا کہ عدالت عالیہ کا فوجی عدالتوں کے قیام کو جائز قرار دینا اصل میں اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ ہمارا عدالتی نظام فرسودہ اور ناکارہ ہو چکا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ درحقیقت ہم نے اللہ اور رسول کے نظام سے روگردانی کر کے خود کو اس مقام تک پہنچا دیا ہے کہ فلاح اور ترقی کے تمام راستے بند ہو گئے ہیں ہماری دنیوی اور اخروی فلاح اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قیام میں مضمر ہے وگرنہ ہم دنیا میں یونہی ٹھوکریں کھاتے رہیں گے۔ ابھی وقت ہے ہم پاکستان کو اسلامی فلاحی ریاست بنا کر دنیا اور آخرت میں سرخرو ہو جائیں۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی)

مکمل طور پر فراموش کیے بیٹھے ہیں۔

آیت 3 میں اللہ عزوجل کی قدرت کا ایک اور انداز سے بیان ہے۔فرمایا:

﴿الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ﴾

''(وہ اللہ کہ) جس نے بنائے سات آسمان ایک دوسرے کے اوپر۔''

سات آسمانوں کی حقیقت کو مکمل طور پر ابھی تک ہم نہیں سمجھ پائے ہیں' البتہ بعض چیزوں تک ہماری رسائی ہو چکی ہے' مثلاً یہ زمین نظامِ شمسی کا حصہ ہے اور اس زمین کے اوپر اللہ نے ایک چھت بنا رکھی ہے جو اس زمین کی حفاظت کا کام کرتی ہے۔اس کائنات کے مختلف عناصر میں ہر وقت کچھ نہ کچھ ٹوٹ پھوٹ ہوتی رہتی ہے اور ان کے ٹکڑے جب زمین کی طرف آتے ہیں تو وہ اس چھت سے ٹکرا کر جل کر پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ اس طرح زمین اور اہل زمین محفوظ رہتے ہیں۔کائنات کی وسعت کے بارے میں سے بعض کی حقیقت تک تو سائنس دان پہنچ چکے ہیں' لیکن سات آسمانوں کی حقیقت مکمل طور پر ہم نہیں جان سکے ہیں۔جیسے جیسے کائنات کی وسعت کے بارے میں انسان کا علم آگے بڑھے گا' انسان کے تحیر اور حیرانگی میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا کہ اللہ کی قدرت' اس کی خلاقی اور اس کی صناعی کا یہ عالم ہے۔

آیت 3 اور 4 میں اللہ تعالیٰ اپنی خلاقی اور صناعی کے حوالے سے ایک چیلنج کے انداز میں فرماتے ہیں:

﴿مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ هَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ﴿۳﴾ ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡکَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِیۡرٌ ﴿۴﴾﴾

''تم نہیں دیکھ پاؤ گے رحمٰن کی تخلیق میں کہیں کوئی فرق۔ پھر لوٹاؤ نگاہ کو' کیا تمہیں کہیں کوئی رخنہ نظر آتا ہے؟ پھر لوٹاؤ نگاہ کو بار بار (کوئی رخنہ ڈھونڈنے کے لیے)' پلٹ آئے گی نگاہ تمہاری طرف ناکام تھک ہار کر۔''

یعنی ایک مرتبہ عوامی نگاہ سے دیکھو' پھر دانشوروں، حکماء، اصحابِ علم اور سائنسدانوں کی سطح پر دیکھو' لیکن تم اللہ کی خلاقی میں کوئی رخنہ نہیں پاؤ گے۔اسی کو آگے بڑھائیں تو آج سے سو سال پہلے تک ہمارے پاس کوئی ٹیکنالوجی نہیں تھی۔اب ہم نے ٹیلی سکوپ حاصل کر لی ہے جس کے ذریعے سے ہمیں کس قدر دور تک دیکھنے کی قدرت حاصل ہو چکی ہے۔اسی طرح باریک بینی کے حوالے سے مائیکروسکوپ بھی ہے جو ایٹم تک دیکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔لہٰذا ان ساری چیزوں کا زور لگا کے بھی دیکھ لو' تم رحمٰن کی تخلیق میں کوئی ضعف' کوئی رخنہ اور کسی کمی کی کوئی نشاندہی نہیں کر سکو گے۔چنانچہ جس ہستی کی خلاقی کا یہ عالم ہے تو اس ہستی کا کنٹرول بھی اسی سطح کا ہوگا۔

آیت 5 میں اللہ عزوجل کی قدرت کو ایک مختلف پیرائے میں بیان کیا جا رہا ہے' فرمایا:

﴿وَ لَقَدۡ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِمَصَابِیۡحَ وَ جَعَلۡنٰهَا رُجُوۡمًا لِّلشَّیٰطِیۡنِ وَ اَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابَ السَّعِیۡرِ ﴿۵﴾﴾

''اور ہم نے سب سے قریبی آسمان کو سجا دیا ہے چراغوں سے اور ان کو بنا دیا ہے ہم نے شیاطین کو نشانہ بنانے کا ذریعہ۔اور ان کے لیے ہم نے تیار کر رکھا ہے جلا دینے والا عذاب۔''

یعنی وہ جنات شیاطین جو اوپر چڑھ کر کچھ سن گن لیتے ہیں' ان کا علاج بھی اسی نظامِ کائنات میں اللہ نے رکھ دیا ہے۔سورۃ الجن میں اس حوالے سے فرمایا:﴿اِلَّا مَنۡ خَطِفَ الۡخَطۡفَۃَ فَاَتۡبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ﴾ یعنی جب کوئی سن گن کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ کی طرف سے ایک چمکتا ہوا ستارہ اس کا تعاقب کرتا ہے اور اس کو جلا کر بھسم کر دیتا ہے۔

آیت 6 اور 7 میں بیان ہوا کہ جس ہستی کی قدرت کاملہ کی گواہی کائنات کا ذرہ ذرہ دے رہا ہے' اس کا انکار کرنے والے بدترین سزا کے مستحق ہیں' فرمایا:

﴿وَ لِلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَ بِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۶﴾ اِذَاۤ اُلۡقُوۡا فِیۡهَا سَمِعُوۡا لَهَا شَهِیۡقًا وَّ هِیَ تَفُوۡرُ ﴿۷﴾ تَکَادُ تَمَیَّزُ مِنَ الۡغَیۡظِ ؕ﴾

''اور جو لوگ اپنے رب کا کفر کریں (چاہے وہ انسان ہوں یا جنات) ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے' اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔جب وہ اس میں جھونکے جائیں گے تو اسے سنیں گے دھاڑتے ہوئے اور وہ بہت جوش کھا رہی ہوگی۔قریب ہوگا کہ وہ غصے سے پھٹ جائے۔''

آیت 8 میں کافروں سے پوچھا جا رہا ہے کہ کیا تمہارے پاس اللہ کا کوئی پیغمبر نہیں آیا تھا اور کیا اس نے تم تک اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا تھا؟

﴿کُلَّمَاۤ اُلۡقِیَ فِیۡهَا فَوۡجٌ سَاَلَهُمۡ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَذِیۡرٌ ﴿۸﴾﴾

''جب بھی ڈالا جائے گا اس میں کسی ایک گروہ کو تو اس کے داروغے ان سے پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا تھا؟''

اس وقت دنیا کا بہت بڑا حصہ نبیوں اور رسولوں کو ماننے والوں پر مشتمل ہے اور پھر انسان کے اندر اس کا ضمیر بھی موجود ہے' گویا اللہ تعالیٰ نے خیر وشر کو جاننے کا انتظام انسان کے نفس میں ہی کر رکھا ہے۔

اگلی تین آیات میں کفار کے جوابات کا ذکر ہے:

﴿قَالُوۡا بَلٰی قَدۡ جَآءَنَا نَذِیۡرٌ ۬ۙ فَکَذَّبۡنَا وَ قُلۡنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنۡ شَیۡءٍ ۚۖ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ کَبِیۡرٍ ﴿۹﴾ وَ قَالُوۡا لَوۡ کُنَّا نَسۡمَعُ اَوۡ نَعۡقِلُ مَا کُنَّا فِیۡۤ اَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ ﴿۱۰﴾﴾

''وہ کہیں گے: کیوں نہیں! ہمارے پاس خبردار کرنے والا آیا تھا لیکن ہم نے اسے جھٹلا دیا اور ہم نے کہا کہ اللہ نے کوئی شے نہیں اتاری۔تم تو کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گئے ہو۔اور وہ کہیں گے کہ اگر ہم سنتے اور عقل سے کام لیتے تو ہم نہ ہوتے ان جہنم والوں میں سے۔''

یعنی قیامت کے دن انہیں خیال آئے گا کہ اللہ کے رسول تو ہمیں ہمارے انجامِ بد سے ڈراتے رہے تھے' لیکن ہم نے اپنی عقل کے اوپر خود ہی تالے لگا رکھے تھے اور دنیا کی چمک دمک نے ہماری نگاہوں کو خیرہ کر رکھا تھا۔آج بھی بعض لوگوں کو بہت بڑی غلط فہمی ہو گئی ہے اور وہ اسی دنیا میں اپنی جنت بنانے پر مگن ہیں۔

آیت 11 میں ان کے اعترافِ جرم کا تذکرہ ہے جو انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔فرمایا:

﴿فَاعۡتَرَفُوۡا بِذَنۡۢبِهِمۡ ۚ فَسُحۡقًا لِّاَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ ﴿۱۱﴾﴾

''وہ اپنے اصل گناہ کا اعتراف کر لیں گے۔پس پھٹکار ہے جہنمی لوگوں کے لیے۔''

لیکن اب ان کے اعترافِ جرم کا ان کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا' اس لیے کہ اس کا موقع تو دنیا میں موت کے آنے سے پہلے پہلے تک تھا اور اب وہ موقع ختم ہو چکا ہے۔

ان شاء اللہ سورۃ کے بقیہ حصے کا مطالعہ آئندہ کریں گے۔اللہ تعالیٰ ہمیں قرآنی ہدایت کو سمجھنے اور اس کے مطابق اپنی زندگی کو بدلنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

☆☆☆☆☆

آبِ نشاط انگیز

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

افغان طالبان شوریٰ نے ملاّ محمد عمر مجاہد کے انتقال کی خبر کی تصدیق کردی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ملاّ عمرؒ کی وفات پر ایک عہد کا خاتمہ ہوا۔ اڑھائی سال قبل وفات کی حسبِ سابق سیٹلائیٹوں کے مالکوں کو خبر تک نہ ہوئی۔ خبر دیتی تھیں جن کو بجلیاں وہ بے خبر نکلے! دنیا کے نہتے، غریب، بظاہر کمزور ترین ملک نے 21ویں صدی کے سارے چراغ گل کر دیئے۔ 49 ممالک کی گھن گرج بھری سائنس ٹیکنالوجی کو کلاشنکوف، راکٹ لانچر اور خانہ ساز ہانڈی بموں سے شکست دے ڈالی۔ جدید دنیا کی جنگوں کا ایک حصہ اگر دفاعی ساز و سامان پر مشتمل ہے تو دوسرا احد درجے حساس اور زمین پر رینگتی چیونٹی کے قدموں کی آواز بھانپ لینے کی صلاحیت کا دعویٰ رکھنے والے جاسوسی آلات پر مبنی ہے۔ کمروں، حجروں میں گفتگوئیں ریکارڈ کرنے، پن اور قمیص کے بٹنوں میں ٹکے کیمروں کی نگاہ کی شعبدہ بازیاں بھی ہمراہ ہیں۔ تاہم اڑھائی سال ہمہ نوع جاسوسی کرنے والے، گلوبل ویلیج چوہدریوں کو مجاہدین کی صفوں میں منافقین داخل کرنے کی کوشش کے باوجود کانوں کان خبر نہ ہوسکی کہ ان کا حریفِ اعظم انتقال کر چکا ہے! سپہ سالار کی عدم موجودگی میں تحریک کامیابی سے نہ صرف چلتی رہی بلکہ بے خبر امریکہ، نیٹو انخلاء پر مجبور ہوئے۔ کارروائیوں میں کوئی تعطل نہ آیا۔ ایک افغان حکومت گئی۔ نئی کٹھ پتلی حکومت بن گئی۔ اس دوران قطر میں طالبان کا دفتر کھلا۔ مذاکرات کا ڈول ڈالا گیا۔ کامیاب ترین سفارتکاری کا عالم یہ رہا کہ انہوں نے گوانتا ناموبے سے اپنے 5 افغان اہم قیدی رہا کروالیے۔ ان کے بدلے ایک امریکی سارجنٹ بوئی برگدال اصرار و تکرار سے امریکہ نے رہا کروایا۔ اس پر مستزاد یہ کہ رہا کروانے کے بعد جو امریکہ نے اس سارجنٹ پر خجالت اٹھائی اس پر امریکی میڈیا نے الگ ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ یہ انکشاف ہوا کہ برگدال تو فوجی بھگوڑا تھا۔ افغانستان جنگ پر شدید تحفظات رکھتا تھا۔ اسے مبنی برحق نہ سمجھتا تھا۔ باپ کو ای میل میں بددلی کا اظہار کر چکا تھا۔ بھاگا تو افغان طالبان نے قیدی بنا لیا۔ وہاں مسلمان ہوگیا۔ ان انکشافات نے کہ اس نے نام عبداللہ رکھ لیا تھا اور خود کو مجاہد کہتا تھا (فوکس نیوز چینل کے مطابق) امریکی فوج اور انتظامیہ کو منہ دکھانے کے لائق نہ چھوڑا۔ سخت تنقید کا منہ بند کرنے کے لیے اس کے کورٹ مارشل کا فیصلہ ہوا۔ مارچ 2015ء میں اس پر فوجی بھگوڑا ہونے اور دشمن کے سامنے غلط رویہ اپنانے پر فردِ جرم عائد کر دی گئی۔ سو طالبان نے اپنے 5 اہم قیدی چھڑوائے۔ بدلے میں ایک دیا وہ بھی مسلمان کر کے! ویسے یہ تقابل بھی اہم ہے کہ اس عالمی جنگ میں امریکہ اور اس کے اتحادی قیدی کو مظلومیت کی تصویر بنا کر چھوڑتے ہیں۔ امنِ عالم کے ٹھیکے دار اور حقوقِ انسانی کے دعویدار۔ پاکستان اور مصر میں سٹریچر پر ڈال کر یا لاش حوالے کی جاتی ہے۔ نیویارک ٹائمز کی حالیہ رپورٹ ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ ہمارے حراستی مراکز و دیگر ماورائے عدالت قتل پر وہ بھی چلاّ اٹھے ہیں (25 جولائی)۔ پولیس مقابلوں کی کہانیاں اس سے سوا ہیں۔ جہاں ڈرامائی طور پر خودکش جیکٹوں، بھاری اسلحے سے لیس 'مجرم' تو دسیوں کی تعداد میں ڈھیر ہو جاتے ہیں۔ پولیس کی نکسیر بھی نہیں پھوٹتی! بہرحال۔ یہ تو ایک (طویل) جملۂ معترضہ تھا! افغان طالبان نے عسکری، سفارتی محاذ پر کامیابی کا حیران کن ثبوت دیا ہے! اب کھسیاہٹ دور کرنے کو طرح طرح کی رپورٹیں میڈیا میں فیڈ کی جائیں گی جس سے بزرجمہروں کی لاعلمی کا تاثر دور کیا جاسکے۔ ایسے ماہر تجزیہ نگاروں کی کمی نہیں۔ جب بازی ہرتے دیکھتے ہیں تو یکا یک بہت سی متضاد خبریں، مجاہدین کے باہمی اختلافات کی خبریں چھوڑتے ہیں اس اصول کے تحت کہ If you can't confront them, confuse them۔ اگر (دلیل سے) مقابلہ نہ کرسکو تو انہیں الجھا کر رکھ دو۔ سو یہ فارمولا 9/11 سے لے کر اسامہ بن لادنؒ کی شہادت و ہر ایسے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے جہاں گلوبل چودھری کی سبکی ہوتی نظر آئے! 5 کھرب ڈالر لٹا کر، امریکی معیشت کا بھٹہ بٹھا کر، افراطِ زر اور بے روزگاری کے مارے پریشان حال امریکی شہری اپنی حکومت کی جنگجویت کا بھگتان دے رہے ہیں۔ بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے۔ بالعموم اپنے دشمن کی موت ایک خوشخبری کا درجہ رکھتی ہے، تاہم ملاّ عمرؒ کا انتقال بھی کفر کے منہ پر طمانچے سے کم نہیں۔ (یہ امر بھی دلچسپ ہے کہ خبر کے ساتھ ہی دیوبند یا بنوری ٹاؤن نہیں، سب سے بڑی تصویر اور خبر جماعۃ الدعوۃ کی غائبانہ نمازِ جنازہ کی ہے!) ملاّ عمرؒ کی داستان، تاریخ میں دجالی جنگوں کے حوالے سے ایک عجب داستان ہے، جس میں خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے بعد شرعی حکومت کا احیاء، جنگوں سے لہولہان افغانستان پر پانچ سال بے مثل امن، عافیت کی بحالی کی حکمرانی۔ عمر ابن خطابؓ، عمر بن عبدالعزیزؒ کے بعد ایک اور عمرؒ نے ملت اسلامیہ کو اسلامی حکومت کی شاندار جھلک دکھائی جس میں حقیقتاً عوام کی حکمرانی ہوتی ہے۔ وہ ایک اللہ کے سوا کسی کے آگے دبنے، جھکنے پر مجبور نہیں کیے جا سکتے۔ حکمران اپنے ڈرائیور، چوکیدار کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر ایک ساتھ کھانا کھاتا ہے۔ بلکہ مارے احتیاط کے بیت المال سے نوالہ نہیں بھرتا۔ گھر سے آئے تربوز سے روٹی کھاتا ہے! اس حکمران نے ایک دن بھی پروٹوکول، ہٹو بچو، روٹ لگانے اور عوام کو ذلت دے کر مقامی وائسرائے کی شاہی سواری کے گزرنے کے لیے انتظار پر مجبور نہ کیا۔ وہاں جس کے سر پر دشمن نے کروڑ ڈالر کا انعام رکھا اسے حاصل کرنے کو بعد ازاں بھی کوئی ہاتھ آگے نہ بڑھا۔ (وہ ایک دن بھی پاکستان نہیں آئے) سو محفوظ و مامون نقل مکانی کر کے رب تعالیٰ سے جا ملے! سلامتی ہو ایسے حکمران کے اس دن پر جب وہ پیدا ہوا، اس دن پر جب اس نے وفات پائی اور اس دن پر جب وہ دوبارہ اٹھایا جائے گا۔

مقابل پر منظر ہے اسلام آباد کا، جہاں سب ہی آباد ہیں سوائے اسلام کے! لال مسجد کے میناروں سے پوچھ لیجیے اور اذان کے لاؤڈ سپیکروں پر لگے پہروں سے پوچھ لیجیے۔ آئی الیون کی کچی بستی کے 864 گھروں کے 8000 افراد کو (جو خطِ غربت سے نیچے بھی سب سے نچلی منزل کے مکین تھے) بلڈوزروں نے انہیں 3 مربع میٹر گھروں (جن پر گھر ہونے کی تہمت تھی) سے اجاڑ دیا۔ آسمان تلے، آنسو گیس کے شیل کھاتے (باقی صفحہ 11 پر)

تحریک پاکستان: علماء کی مختلف آراء

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

امت مسلمہ کی تاریخ جہد مسلسل، تعلیم وتدریس اور تبلیغ دین کے لیے کاوش ومحنت سے تعبیر ہے۔ کسی بھی زندہ قوم کی تاریخ اسی طرح کی تحریکات سے بھرپور ہوتی ہے اور یہی اس کے زندہ ہونے کی سب سے بڑی علامت اور نشانی ہے۔ ان کاوشوں اور تحریکات کی نوعیت کبھی خالص مذہبی ہوتی ہے کہ اس کا تعلق دین و ایمان، عقائد و اخلاقیات سے ہوتا ہے، کبھی یہ تحریک سیاسی نوعیت کی ہوتی ہے لیکن اس کا کسی نہ کسی انداز میں دینی پہلو بھی اس کے سیاسی پہلو کی طرح نمایاں ہوتا ہے جبکہ یوں بھی ہوتا ہے کہ تحریک سیاسی انداز میں شروع ہوتی ہے لیکن بعد میں اس کا دینی پہلو سیاسی پہلو پر غالب آ جاتا ہے۔ اس نوعیت کی تبدیلی کی بنیادی وجہ تحریک میں علماء کی بکثرت شمولیت ہوتی ہے جو اسے خالصتاً دینی اور مذہبی بنا دیتی ہے اور امت مسلمہ کی اس کے ساتھ وابستگی بھی جذباتی نوعیت کی ہو جاتی ہے۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ پاکستان ایک بھرپور تحریک کے نتیجہ میں معرض وجود میں آیا۔ اس وقت دنیا کے نقشہ پر موجود ممالک میں پاکستان واحد مملکت ہے کہ جس کے وجود کی بنیاد و اساس کلمہ "لا الٰہ الا اللہ" ہے۔ تحریک پاکستان، اس کی تاریخ اور اس کے ارتقاء پر غور کریں تو وہ تبدیلیاں جن کا ذکر ہم نے کیا، اس تحریک میں بھی ہمیں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ اس تحریک کی ابتدا تحریک آزادی ہند سے ہوئی جس کا بنیادی ہدف انگریز سامراج سے ہندوستانی عوام کو نجات دلانا تھا۔ اس ہدف کے حصول میں ہندو، مسلمان اور سکھ بلاتفریق مذہب سب ہی شامل تھے۔ اس طرح یہ ایک سیاسی وتمدنی نوعیت کی تحریک تھی۔ اس میں بھی جب علماء نے شمولیت اختیار کی تو تحریک نے سیاسی اور تمدنی نوعیت سے نکل کر مذہبی نوعیت اختیار کر لی۔ بقول مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ، حضرت تھانویؒ کو بعض معاصر علماء کی طرح جنگ آزادی، جنگ حقوق آزادی وملی وغیرہ سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ ان کے سامنے مسئلہ سیاسی نہیں، تمام تر دینی تھا۔ وہ صرف اسلامی حکومت چاہتے تھے۔ 1928ء میں جب پہلی بار حاضری ہوئی تو اس ملاقات میں حضرت نے دارالاسلام کی اسکیم خاصی تفصیل سے بیان فرمائی تھی کہ:

"جی یوں چاہتا ہے کہ ایک خطے پر خالص اسلامی حکومت ہو، سارے قوانین تعزیرات وغیرہ کا اجراء احکام شریعت کے مطابق ہو، بیت المال ہو، نظام زکوٰۃ رائج ہو، شرعی عدالتیں قائم ہوں وغیرہ۔ دوسری قوموں کے ساتھ مل کر کام کرتے ہوئے یہ نتائج کہاں حاصل ہو سکتے ہیں؟ اس مقصد کے لیے صرف مسلمانوں ہی کی جماعت ہونی چاہیے اور اسی کو یہ کوشش کرنی چاہیے۔" (تحریک پاکستان، ص5)

ابتدا میں اس تحریک میں شمولیت کے لیے علماء کو پوری طرح شرح صدر نہیں تھا۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے نام اپنے ایک مکتوب میں تحریر کرتے ہیں:

"حضرت والا کو غالباً معلوم ہوگا کہ 1936ء میں جنرل انتخاب کے بعد جب کانگریس نے وزارتیں قبول کر لیں اور اس کے بعد جو خاص نہج پر ایک سیاسی آویزش شروع ہوئی اور ہمارے بزرگان جمعیت نے جو راہ عمل اپنی صوابدید سے اختیار کیا تو یہ عاجز اس سے متفق نہ رہ سکا۔ اور جب اس پالیسی میں ترمیم وتبدیلی سے مایوسی ہو گئی تو جمعیت کے نظام سے بھی الگ ہو گیا اور عمومی رکنیت سے بھی معذرت کر دی اور اب تک بھی الگ ہی ہوں۔ مسلم لیگ کی سیاست بھی کسی دن دل کو نہیں لگی اور اس لیے اس میں بھی کسی طرح کا کوئی عملی حصہ نہیں لے رہا ہوں۔ لیکن اس انتخابی ہنگامے میں مسلمانوں کے دین واخلاق کا جو خون ہو رہا ہے اور دیانت وآدمیت جس طرح پامال اور ذبح کی جا رہی ہے اور شیطنت ودرندگی کے تمام اوصاف جس وسیع پیمانے پر امت میں فروغ پا رہے ہیں، اخباروں میں اس کا حال پڑھ پڑھ کر اور مقامی حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ دیکھ کر مجھ جیسے ایک عام اور سیاہ کار کے دل پر جو گزر رہی ہے، لفظوں میں اس کی تعبیر سے عاجز ہوں۔ میں اپنے تاثر واحساس پر قیاس کر کے قسم کھا سکتا ہوں کہ اگر جناب رسول ﷺ ہماری اس دنیا میں تشریف لے آئیں اور ہمارے اس الیکشنی ہنگامے اور اس کے سلسلے میں جو کچھ ہو رہا ہے دیکھیں تو یقیناً آپؐ کو اتنا عظیم صدمہ ہوگا کہ اس سے پہلے شاید کوئی سانحہ اتنا تکلیف دہ نہ ہوا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ لاکھوں مسلمانوں کا کافروں کی تلواروں سے شہید ہو جانا اور بڑے بڑے ملکوں کا مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر کافروں کے ہاتھ میں چلے جانا بھی مزاج نبوی کے لیے اتنا تکلیف دہ نہیں جتنا کہ مسلمان قوم کا دین اور اخلاق وآدمیت کو خیرباد کہہ کر شیطان اور درندہ بن جانا اور صرف سیاسی اختلاف رائے کی وجہ سے خصوصاً صلحاء وعلماء کی آبروؤں اور جانوں کے درپے ہو جانا۔" (علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا تحریک پاکستان میں کردار: ص177)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے مولانا کے اس مکتوب گرامی کا کیا جواب دیا، اس کی تفصیلات کے لیے آپ درج بالا کتاب کا مطالعہ فرما سکتے ہیں۔ سر دست اس نکتہ کو سمجھنا ہے کہ ایک جانب علماء انگریز سے برصغیر کی آزادی کے شدید خواہش مند بھی تھے، لیکن سیاسی زعماء کے طریق کار سے بہت مطمئن بھی نہیں تھے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی "فتاویٰ عزیزیہ" میں لکھتے ہیں:

"یہاں رؤساء ونصاریٰ کا حکم بلادغدغہ اور بے دھڑک جاری ہے اور ان کا حکم جاری اور ساری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ملک داری، انتظامات رعیت، خراج، باج، عشر و مال گزاری، اموال تجارت، ڈاکوؤں اور چوروں کے انتظامات، مقدمہ کا تصفیہ، جرائم کی سزاؤں وغیرہ (یعنی سول، فوج، پولیس، دیوانی اور فوجداری معاملات، کسٹم اور ڈیوٹی وغیرہ) میں یہ لوگ بطور خود حاکم اور مختار مطلق ہیں۔ ہندوستانیوں کو ان کے بارے میں کوئی دخل نہیں۔ بے شک نماز جمعہ، عیدین، اذان اور ذبیحہ گاؤ جیسے اسلام کے چند احکام میں وہ رکاوٹ نہیں ڈالتے، لیکن جو چیز ان سب کی جڑ اور حریت کی بنیاد ہے (یعنی ضمیر اور رائے کی آزادی اور شہری آزادی) وہ قطعاً بے حقیقت اور پامال ہے۔ چنانچہ بے تکلف مسجدوں کو مسمار کر دیتے ہیں۔ عوام

کی شہری آزادی ختم ہو چکی ہے۔ انتہا یہ کہ کوئی مسلمان یا ہندو ان کے پاسپورٹ اور پرمٹ کے بغیر اس شہر یا اس کے اطراف و جوانب میں نہیں آ جا سکتا۔ عام مسافروں یا تاجروں کو شہر میں آنے جانے کی اجازت دینا بھی ملکی مفاد یا عوام کی شہری آزادی کی بناء پر نہیں بلکہ خود اپنے نفع کی خاطر ہے۔ اس کے بالمقابل خاص خاص ممتاز اور نمایاں حضرات مثلاً شجاع الملک اور ولایتی بیگم ان کی اجازت کے بغیر اس ملک میں داخل نہیں ہو سکتے۔ دہلی سے کلکتہ تک انہی کی عمل داری ہے۔ بے شک کچھ دائیں بائیں مثلاً حیدر آباد، لکھنو، رامپور میں چونکہ وہاں کے فرماں رواؤں نے اطاعت قبول کر لی ہے، براہ راست نصاریٰ کے احکام جاری نہیں ہوتے (مگر اس سے پورے ملک کے دارالحرب ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا)۔'' (تاریخ پاکستان، پس منظر و پیش منظر: ص41)

جمعیت علماء ہند کے صدر مفتی کفایت اللہ دہلویؒ تھانہ بھون تشریف لائے، مولانا اشرف علی تھانویؒ سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے یہود کے ساتھ جہاد میں حصہ لیا۔ حضرت تھانویؒ نے اس بات کا جو جواب دیا وہ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے یوں نقل کیا:

''کفار اور مشرکین کو آپ جہاد میں اس وقت لے سکتے ہیں کہ جھنڈا مسلمانوں کا رہے اور کفار ہمارے حکم کے تحت ہوں، اس وقت حالت برعکس ہے۔ کانگریس میں ہندوؤں کا غلبہ ہے اور انہی کا حکم غالب ہے۔'' (تحریک پاکستان: ص6)

مولانا اشرف علی تھانویؒ ہمیشہ سے مسلمانوں کی الگ تنظیم کے حامی رہے حتیٰ کہ جب تک مسلم لیگ نے کانگریس کا ساتھ دیا اس وقت تک حضرت نے مسلم لیگ کا ساتھ نہیں دیا اور جب مسلم لیگ کانگریس سے علیحدہ ہوئی تب حضرت نے علانیہ مسلم لیگ کی حمایت فرمائی۔ مسلم لیگ نے کانگریس سے علیحدہ ہونے کے بعد پہلا الیکشن جھانسی کے علاقے میں لڑا تھا۔ وہاں کے مسلمانوں نے تار کے ذریعے حضرت تھانویؒ سے پوچھا کہ: مسلم لیگ اور کانگریس دونوں میں کس کو ووٹ دیا جائے؟ اس وقت تک حضرت کا ذہن مسلم لیگ کی حمایت کے بارے میں بھی واضح نہیں تھا بلکہ یہ خدشہ محسوس کرتے تھے کہ کہیں یہ لوگ مصطفےٰ کمال پاشا کی طرح دین کو مسخ نہ کر دیں، اس لیے تار کا جواب دینے میں تامل تھا۔ آخر مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے مشورہ دیا۔ ''آپ کانگریس کی حمایت کے خلاف تو ہیں ہی، تامل صرف مسلم لیگ کی حمایت کرنے میں ہے۔ اس لیے آپ یہ جواب دے دیں کہ کانگریس کو ووٹ نہ دیا جائے۔'' یہ جواب حضرت نے پسند فرمایا اور اسی مضمون کا جوابی تار روانہ کر دیا گیا۔ نتیجہ یہ کہ مسلم لیگ کامیاب ہو گئی۔ الیکشن میں مسلم لیگ کی کامیابی کی خبر دینے کے لیے مولانا شوکت علی اپنے چند ساتھیوں کو لے کر تھانہ بھون آئے۔ انہوں نے بتایا کہ ہم نے حضرت تھانوی کے جوابی تار کو فتوے کی صورت میں چھپوا کر بڑی تعداد میں تقسیم کرایا اور جگہ جگہ چسپاں کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ جو لوگ کانگریس کو ووٹ دینے آتے تھے، وہ بھی یہ فتویٰ دیکھ کر مسلم لیگ کو ووٹ دیتے تھے۔ درج بالا حقائق سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی کہ علماء ایک جانب کانگریس کی سیاست سے مطمئن نہ تھے تو دوسری طرف وہ متبادل کے طور پر مسلم لیگ کو بھی شرح صدر سے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت تسلیم کرنے سے گریز کرتے تھے، جبکہ مسلم لیگ ایک زمانہ تک کانگریس کے ساتھ رہی۔ مسلم لیگ کی کانگریس سے علیحدگی کے بعد مسلم زعماء خصوصاً علماء سنجیدگی سے مسلم لیگ کی حمایت سے متعلق سوچنے لگے، تاہم ہندوستان کے علماء کا ایک طبقہ اس کے باوجود کانگریس کا حامی اور مسلم لیگ کا مخالف رہا۔ آج اسی طبقہ فکر کی سوچ کو بنیاد بنا کر مختلف طبقات نے جو مختلف نظریات اختیار کیے، ان کو ان الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

آج علماء پاکستان کی بڑی تعداد طبقہ دیوبند کے تمام علماء کو پاکستان کا مخالف قرار دینے کی ہمہ تن کوشش میں مصروف ہے۔ دین سے بے بہرہ افراد اب بانگ دہل نظریۂ پاکستان پر حملہ آور ہیں اور یہ ثابت کرنے کی سعی لاحاصل میں مشغول ہیں کہ پاکستان اسلام کے لیے نہیں بنا تھا، اگر یہ اسلام کے لیے بن رہا ہوتا تو ہندوستان کے اجل علماء اس کی مخالفت نہ کرتے۔ کیا پاکستان کے محقق علماء جو ہر حقیقت کو علمی اور دینی انداز میں دیکھنے، پرکھنے اس کے حوالے سے کوئی بھی رائے اختیار کرنے یا امت مسلمہ کی صحیح اور برحق رہنمائی کرنے کا عزم صمیم رکھتے ہیں، مذکورہ بالا دونوں افکار میں سے کسی ایک کی حمایت کا کوئی تصور کر سکتے ہیں؟

اس اہم سوال کا جواب تلاش کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ ہمارے نزدیک اس سوال کا صحیح، برحق، غیر جانبدار اور قابل قبول جواب پاکستان میں پائیدار امن و رواداری کا ضامن ہو سکتا ہے۔ اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیے چند حقائق کا جاننا ضروری ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلی حقیقت تو یہ ہے کہ پورے طبقہ دیوبند اور صرف طبقہ دیوبند کو اس بنیاد پر پاکستان کا مخالف قرار دینا واقعاتی حقیقت کے خلاف ہے۔ علماء دیوبند کی ایک بڑی تعداد نہ صرف پاکستان کی زبردست حامی رہی بلکہ تحریک پاکستان میں عملاً شریک رہی۔ راقم الحروف کو یہ شرف حاصل ہے کہ میری والدہ مرحومہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی نواسی کے درجہ میں تھیں۔ میرے بڑے ماموں نے یہ بات مجھے بارہا بتائی کہ میں ایک مرتبہ بڑے ابا (علامہ شبیر احمد عثمانیؒ) کے ہمراہ قائداعظم سے ملا۔ بڑے ابا نے مجھ سے کہا دیکھو بیٹا یہ قائداعظم ہیں۔ اس پر قائداعظم مسکرائے اور فرمایا کہ: ''قائداعظم تو اصل میں آپ ہیں۔'' اسی طرح علامہ عثمانیؒ کے ساتھ بہت سے علماء دیوبند قائداعظم کے شانہ بشانہ تحریک پاکستان کے ہراول دستہ کے طور پر کام کرتے رہے ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمات

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کی روایت کے مطابق ابتدا میں حضرت تھانویؒ کو بعض معاصر علماء کی طرح جنگ آزادی، جنگ حقوق آزادی و ملی وغیرہ سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ مولانا دریابادی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: گویا خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں بوریا نشین اس مرد درویش نے حصول و بقاء پاکستان کا لائحہ عمل اور نظام پاکستان کا نقشہ اس وقت پیش کیا جب پاکستان چاہنے والوں کو اس کا خواب و خیال بھی نہ تھا۔ اسی زمانے میں صدر جمعیت علماء ہند مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی حضرت تھانویؒ سے مسائل حاضرہ پر گفتگو کو بھی نقل کیا جا چکا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کی اپنی ذاتی رائے اور آپ سے منسلک افراد میں مولانا عبدالماجد دریابادی کی رائے ہم نذر قارئین کر چکے ہیں، سطور آئندہ میں آپ کے حلقہ سے وابستہ دیگر افراد کی تحریک پاکستان میں عملی شرکت کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیے:

11 جون 1947ء کو علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مفتی محمد شفیعؒ کی قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات ہوئی اور قائداعظم نے ان تینوں حضرات سے سلہٹ اور صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں بطور خاص کام کرنے کی درخواست کی جس کے نتیجہ میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے سلہٹ کا طوفانی دورہ کیا اور علامہ عثمانیؒ اور مفتی محمد شفیعؒ نے سرحد کا تاریخی دورہ شروع کیا۔ یہ سخت گرمی کا زمانہ تھا، مگر ان دونوں جلیل القدر ہستیوں نے دن

رات ایک کر کے بے لوث کام کیا جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح مبین عطا فرمائی۔ قیام پاکستان کے بعد حضرت مفتی صاحب ہجرت کر کے پاکستان تشریف لے آئے۔ کراچی میں ایک عظیم اسلامی ادارہ، دارالعلوم کراچی، کی بنیاد رکھی۔ قرارداد مقاصد کی تیاری، بورڈ آف تعلیمات اسلام کی رکنیت۔ لاء کمیشن کی رکنیت، جیسے اہم امور میں حضرت مفتی اعظم پاکستان نے غیر معمولی خدمات انجام دیں، جس کی پوری تفصیل مفتی اعظم نمبر ''البلاغ'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنی تقاریر، خطوط، بیانات اور خطبات میں مسلمانوں کو آل انڈیا مسلم لیگ کی حمایت کرنے کو کہا۔ چنانچہ اپنے پیغام بنام کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام کانفرنس، کلکتہ میں فرماتے ہیں:

☆ سب سے زیادہ اشتعال انگیز جھوٹ یہ ہے کہ دس کروڑ مسلمانان ہند کی مستقل قومیت کا انکار کر دیا جائے۔

☆ اب اس چیز کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہتا کہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کے امتزاج سے کوئی قومیت متحدہ صحیح معنی میں بن سکے۔

☆ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں اور ان کے لیے ایک مستقل مرکز کی ضرورت ہے جو اکثریت اور اقلیت کی مخلوط حکومت میں کس طرح حاصل ہو سکتا ہے۔

☆ اسلامی نقطہ نظر سے روئے زمین پر دو ہی قومیں آباد ہیں۔ ایک وہ جو مسلم یا مومن کہلاتی ہے، دوسری وہ جو کافر کہلاتی ہے۔

☆ اس وقت مسلمانوں کو حصول پاکستان کی خاطر مسلم لیگ کی تائید و حمایت میں حدود شرعیہ کی رعایت کے ساتھ حصہ لینا چاہیے۔

☆ اگر اس وقت مسلم لیگ ناکام ہو گئی تو پھر شاید مدت دراز تک مسلمانوں کو اس ملک میں پنپنے کا موقع نہ ملے، اس لیے وقت کی ضرورت ہے کہ مسلمان مسلم لیگ کے بازو مضبوط کریں۔

☆ اکثریت میں مدغم ہو کر ہم آزادی تو کیا حاصل کرتے اپنی قومی ہستی ہی کو فنا کر بیٹھیں گے۔

مخالف علماء کی رائے کی حقیقت

یہ بہر حال ایک طے شدہ تاریخی حقیقت ہے کہ طبقہ دیوبند کے بعض علماء نے پاکستان کے بنائے جانے کی مخالفت کی تھی۔ ان کے اس سیاسی نظریہ کی اصل حقیقت کیا تھی، اس کا جاننا نہایت ضروری ہے۔ اس ضمن میں اس حقیقت پر غور بھی نہایت ضروری کہ ایک معاملہ ہے پاکستان کی مخالفت کا پاکستان بننے سے پہلے کا اور ایک معاملہ ہے پاکستان بننے کے بعد اس کو ناقابل تلافی نقصان پہنچانا، کیا دونوں معاملات یکساں نوعیت کے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک مرتبہ پھر میں اپنی خاندانی نسبت کی بنیاد پر ایک گواہی آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں، وہ گواہی یہ ہے:

☆ میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد مالک کاندھلویؒ نے یہ واقعہ استحکام پاکستان کے موضوع پر منعقد ہونے والے ایک سیمینار کے صدارتی خطبہ میں سنایا اور اس ثقاہت کے ساتھ سنایا کہ مجھے علم حدیث سے تعلیم اور درس و تدریس کے حوالہ سے وابستگی کو تیس سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے، مجھے یقین ہے کہ آپ میری بات پر اعتماد کریں گے۔ وہ واقعہ والد گرامی کے الفاظ میں پیش خدمت ہے:

'1947ء میں جب پاکستان معرض وجود میں آیا، میں اس وقت جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں استاذ الحدیث تھا۔ قیام پاکستان کے کچھ مہینوں کے بعد مولانا حسین احمد مدنیؒ ڈابھیل تشریف لائے، اساتذہ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ دوران ملاقات کسی نے مولانا سے دریافت کیا کہ: آپ نے پاکستان بنانے کی مخالفت کی تھی، اب جبکہ پاکستان بن چکا ہے آپ کے پاکستان کے حوالہ سے کیا خیالات ہیں؟ مولانا نے برجستہ جواب دیا: مسجد بننے سے پہلے کسی بھی مسلمان کو اس رائے کے اظہار کی اجازت ہے کہ مسجد بنائی جائے یا نہ بنائی جائے، اس کے تعمیری نقشے پر بھی اختلاف ہو سکتا ہے لیکن جب مسجد بن جائے تو پھر ہر مسلمان پر اس کی حفاظت واجب ہے۔''

☆ مولانا مدنیؒ نے پورے ہندوستان کے اقتدار کی تقسیم کا ایک فارمولا بنایا تھا جس کے مطابق نوے فیصد حصہ حکومت مسلمانوں اور ہندوؤں کے لیے تھا۔ بقیہ دس فیصد دیگر اقلیتوں کے لیے تھا۔

☆ علماء کی جانب سے ایک اجتہاد یہ تھا کہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود اس میں ہے کہ ایک علیحدہ سلطنت حاصل کی جائے اور دوسرا اجتہاد یہ تھا کہ پورے ہندوستان کی حکومت میں مسلمانوں کو ان کی آبادی کے مطابق حصہ دیا جائے۔ دونوں کا مقصد مسلمانوں کی فلاح و بہبود تھا۔ اس طرح کے اجتہاد کے متعلق یہ نظریہ ہونا چاہیے کہ ''ان اصاب فلہ اجران وان اخطاء فلہ اجر'' اور اجر کا فیصلہ اللہ کریم کی ذات ہی کر سکتی ہیں اور آپ اس کا اختیار نہیں رکھتے۔

☆☆☆

بقیہ: کار تریاقی

سڑکوں پر لا پھینکے گئے (سیلابوں میں گھرے در بدر مزید ملک بھر میں بے یار و مددگار پڑے ہیں)۔ اگر چہ ان کے آنسوؤں کے لیے گیس کی تو چنداں ضرورت نہ تھی۔ خوبصورت اسلام آباد کو سجانے والے یہ ہاتھ کچرا چن کر، مزدوری کر کے، شاندار بلڈنگوں، شاہراہوں، پلوں کو فاقے سے پچکے پیٹوں کے ساتھ حسین تر بنانے والے ہیں۔ لیکن متبادل جگہ کی فراہمی کے بغیر بڑے بڑے محلات اور فارم ہاؤسوں، شرق تا غرب قوم سے لوٹی دولت سے بنی جائیدادوں کے مالک حکمرانوں نے ان سے وہ جھگیاں، کھولیاں بھی چھین لیں جن میں 10، 10 افراد کیڑے مکوڑوں کی طرح رہنے پر قانع تھے! اس بستی کو بچانے انصاف کے دعویدار تحریک انصاف والے، سیاسی دینی رہنما کوئی بھی تو نہ آیا! غریب کا مقدر جمہوری ڈھکوسلوں سے بدلنے کا نہیں۔ یہ صرف اپنے مفادات سے بالاتر، حیات بخش شریعت پر حکومت استوار کرنے والے ہاتھوں سے ممکن ہے۔

علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

☆☆☆☆

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ

- از روئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟
- ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
- نیکی، تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ مندرجہ ذیل خط و کتابت کورسز سے فائدہ اٹھایئے:

(1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس
(2) عربی گرامر کورس (I، II، III)
(3) ترجمہ قرآن کریم کورس

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس (مع جوابی لفافہ) کے لئے رابطہ:

شعبہ خط و کتابت کورسز
قرآن اکیڈمی 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 3-35869501
E-mail: distancelearning@tanzeem.org

جوڈیشل کمیشن کی رپورٹ

29جولائی 2015ء کو منعقدہ نشست کی تلخیصی رپورٹ

مہمانانِ گرامی: رضاء الحق (ریسرچ سکالر تنظیم اسلامی)
ایوب بیگ مرزا (ناظم نشرواشاعت تنظیم اسلامی)

میزبان: وسیم احمد

سوال: جوڈیشل کمیشن کی تشکیل کا پس منظر کیا تھا؟

ایوب بیگ مرزا: اگر آپ تاریخ پاکستان کا مطالعہ کریں تو نظر آئے گا کہ جب بھی کسی مسئلے پر عوامی لہر اٹھتی ہے اور معاملات حکومت کی گرفت سے باہر ہو جاتے ہیں تو حکومت کے پاس جوڈیشل کمیشن قائم کرنے کا ایک بہت اچھا حربہ ہوتا ہے۔ ایسے کمیشن کے قیام سے جذبات ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔2013ء کے الیکشن کے بعد بھی حکومتی سطح پر یہی طریقہ اپنایا گیا۔ اس وقت عمران خان بڑے بڑے جلسے کر رہے تھے۔حکومت نے اس کی تشکیل میں وقت اس لیے لگایا کہ وہ اس کی ٹرمز آف ریفرنس (TORs) اس طرح بنانا چاہتی تھی کہ جس سے ججز کے ہاتھ باندھ دیے جائیں۔جوڈیشل کمیشن نے فیصلہ چونکہ TORs کی بنیاد پر دینا ہوتا ہے۔وہ آزاد نہیں ہوتے کہا جاتا ہے کہ فلاں فلاں سوالات کے جواب دیں۔عمران خان سمجھتے تھے کہ جوڈیشل کمیشن خدا جانے کیا قیامت ڈھا دے گا۔ان TORs کے حوالے سے یہ ممکن نہیں تھا کہ کوئی اور فیصلہ آتا۔

سوال: عمران خان تو بار بار یہی کہتے تھے کہ بیگ کھولیں تو سارے ثبوت مل جائیں گے؟

ایوب بیگ مرزا: ہمارے ہاں ایسا نظام ہے کہ جس میں ثبوتوں کی فراہمی کا معاملہ مدعی پر ڈال دیا جاتا ہے' حالانکہ یہ درست نہیں ہے۔ اگر آپ حکومت کے خلاف مدعی ہیں اور حکومت مدعا علیہ ہے تو بتایئے آپ کیسے ثبوت لے آئیں گے؟ ثبوت تو حکومتی اداروں نے مہیا کرنے ہوتے ہیں۔کیا حکومت کے ادارے حکومت کے خلاف ثبوت فراہم کریں گے؟ یہ ان ممالک میں تو ہو سکتا ہے جہاں ادارے آزاد ہیں' جہاں اداروں کے سربراہ فیصلوں اور معاملات کو قومی امانت سمجھتے ہیں۔یہاں تو اداروں کے سربراہ یا رشتہ دار ہوتے ہیں یا پارٹی کے وفادار' لہٰذا وہ ایسے ثبوت فراہم نہیں کرتے جن کی ضرورت ہوتی ہے۔ جوڈیشل کمیشن کا حکومت کے خلاف کوئی واضح فیصلہ آسان کام نہیں تھا۔

سوال: پی ٹی آئی کے حامد خان کا کہنا ہے کہ جوڈیشل کمیشن میں ہمارا کیس صحیح طرح plead ہی نہیں ہوا۔ حفیظ پیرزادہ صاحب کے وکلاء اس کام کے لیے اہلیت ہی نہیں رکھتے تھے؟

ایوب بیگ مرزا: یہ پروفیشنل جیلسی کا معاملہ ہے۔ حامد خان کا پی ٹی آئی سے ایک دیرینہ تعلق ہے اور ان کا چودھری افتخار سے انتہائی گہرا دوستانہ ہے۔ عمران خان اور چودھری افتخار کی ایک بہت بڑی لڑائی چھڑ گئی تھی۔ حامد خان اس وقت پی ٹی آئی میں ایک کنارے پر کھڑے ہیں اور چودھری افتخار کے حوالے سے عمران خان کے موقف کے شدید خلاف ہیں۔

مرتب: وسیم احمد

سوال: جوڈیشل کمیشن کے سامنے کیا سوالات رکھے گئے جس سے واضح ہو سکے کہ دھاندلی ہوئی تھی یا نہیں؟

رضاء الحق: جوڈیشل کمیشن کے لیے جب آرڈیننس پاس ہوا تو کچھ ٹرمز آف ریفرنس بنائے گئے' جن میں وہ پیرامیٹر یا سکوپ موجود تھا جس کے اندر رہ کر جوڈیشل کمیشن نے کام کرنا تھا۔ ان TORs کے basis پر ہی ایک Questionaire مختلف پولیٹکل پارٹیز کو دیا گیا جو اس میں فریق تھیں۔ کمیشن کے سامنے تین basic سوالات تھے۔ پہلا سوال یہ کہ: کیا فری' فیئر' ایمپارشل اور just الیکشن ہوئے ہیں؟ دوسرا سوال یہ تھا کہ: کیا اس کے اندر آرگنائزڈ اور منظم طریقے سے دھاندلی ہوئی ہے؟ جب یہ کہا جائے گا کہ آرگنائزڈ طریقے سے دھاندلی ہوئی ہے تو یہ بہت important فیکٹر ہے جسے مکمل الیکشن پروسس کے اندر پروف کرنا ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ چند individual جگہوں پر دھاندلی ہو اور کہہ دیا جائے کہ پورے الیکشن کے اندر دھاندلی ہوئی ہے۔ تیسرے TOR کے دو حصے تھے۔ پہلا یہ کہ: کیا دھاندلی نیشنل اسمبلی اور صوبائی اسمبلی دونوں کے اندر ہوئی؟ دوسرا حصہ یہ کہ: اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ صرف نیشنل اسمبلی کے اندر نہیں ہوئی تو کیا تمام صوبوں کے اندر ہوئی یا چند صوبوں کے اندر اور چند مخصوص جگہوں کے اندر ہوئی؟ ان تین سوالوں کی بنیاد پر جوڈیشل کمیشن اپنی کارروائی آگے لے کر چلا۔ اسی سکوپ کے اندر رہ کر تمام سیاسی پارٹیوں نے اپنے پروف دیے۔ Burden of proof تمام کا تمام ان لوگوں پر ڈالا گیا جو یہ بات کہہ رہے تھے کہ الیکشن کے اندر دھاندلی ہوئی ہے۔ انہوں نے ہی اس کا evidence اور witness پیش کرنے تھے۔ اگر وہ یہ پروف نہ کر سکیں تو ثابت ہو جائے گا کہ الیکشن کے اندر دھاندلی نہیں ہوئی۔ TORs بنانے میں ایک کوتاہی رہ گئی کہ پورے الیکشن پراسس کے اندر دھاندلی ثابت کرنا اول تو ممکن ہی نہیں ہے' دوسرا ہمارے ہاں سسٹم ایسے بن گئے ہوئے ہیں کہ اس کا پروف ملنا بھی ممکن نہیں ہے۔

TORs کے لحاظ سے جوڈیشل کمیشن نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ ان الیکشن میں دھاندلی ہوئی یا نہیں' جو طریقہ کار وضع کیا وہ قانون کی زبان میں Beyond Reasonable Doubt نہیں تھا' جو عام طور پر کسی کریمنل یا سول انوسٹی گیشن میں ہوتا ہے کہ کسی شک وشبہ سے بالاتر ہو کر یہ کہا جائے کہ الیکشن میں دھاندلی ہوئی یا نہیں ہوئی بلکہ وہ طریقہ کار Balance of Probabilities پر based تھا' یعنی امکانات یہ ہیں کہ اگر چند علاقوں کے اندر دھاندلی ثابت نہ ہو سکے تو باقی علاقوں کے اندر بھی ہم یہ کہیں گے کہ نہیں ہوئی' یا چانسز یہ ہیں کہ ایک طریقے سے اگر ثابت نہیں ہو سکی تو باقی تمام طریقوں میں بھی ایسا ہی ہوگا۔

> جوڈیشل کمیشن کے ٹرمز آف ریفرنس اس طرح کے بنائے گئے کہ جن کے تحت کوئی اور فیصلہ آنا ممکن ہی نہیں تھا

سوال: جوڈیشل کمیشن کی اس رپورٹ میں الیکشن کمیشن کے بعض غیر آئینی اقدامات اور بے ضابطگیوں کی

نشاندہی کی گئی ہے۔ وہ کیا تھیں؟

ایوب بیگ مرزا: رپورٹ کے مطابق الیکشن کنڈکٹ کرنے کے لیے الیکشن کمیشن نے ایسے قواعد و ضوابط بنائے جو بذاتِ خود آئین کے خلاف تھے۔ پھر یہ کہ

جوڈیشل کمیشن کی رپورٹ میں الیکشن کمیشن آف پاکستان کی متعدد بے ضابطگیوں اور خامیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

رپورٹ نے آغاز ہی میں صاف قرار دے دیا کہ الیکشن کمیشن نااہل تھا۔ اس کے علاوہ یہ رپورٹ کہہ رہی ہے کہ الیکشن کمیشن کے پاس الیکشن کرانے کا کوئی منصوبہ تھا ہی نہیں حالانکہ ان کو تیاری کے لیے پورا وقت دیا گیا تھا۔ پھر رپورٹ کہتی ہے کہ اضافی بیلٹ پیپرز کی تقسیم کا کوئی ایک فارمولا نہیں بنایا گیا۔ تین صوبوں سندھ' بلوچستان اور خیبرپختون خوا کے لیے تو اضافی بیلٹ پیپرز الیکشن کمیشن نے خود دیے جبکہ پنجاب میں آر اوز کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ جتنے چاہیں بیلٹ پیپرز لے جاسکتے ہیں۔ یہ بڑا اہم پوائنٹ ہے اور اس میں منظم دھاندلی کی جھلک ہے۔ کتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ لاہور کے حلقے این اے 122 میں صرف تین بیلٹ پیپر اضافی دیے گئے جبکہ لاہور کے ہی دوسرے حلقے این اے 125 میں ایک لاکھ 26 ہزار اضافی بیلٹ پیپرز دیے گئے۔ ذرا بدانتظامی کا اندازہ کیجیے۔ پنجاب کا الیکشن ہی تو یہ فیصلہ کرتا ہے کہ مرکز میں کس نے حکومت بنانی ہے اور پنجاب میں ہی یہ اختیار آر اوز کو دے دیا گیا۔ رپورٹ میں یہ بھی درج ہے کہ بیلٹ پیپرز چھاپنے کے لیے چار پرنٹنگ پریس کو کہا گیا۔ اُردو بازار سے جو چار لوگ گئے تھے ان کا کہنا ہے کہ وہ بائنڈنگ کے لیے گئے تھے۔ سوال یہ ہے کہ وہ کیوں وقت پر بیلٹ پیپرز تیار نہ کرسکے؟ پھر یہ کہ پوسٹل فاؤنڈیشن کو روٹین کے مطابق 25 لاکھ ووٹ دیا جاتا ہے۔ اس بار انہیں 25 لاکھ سے زائد ووٹ دے دیے گئے۔ مقناطیسی سیاہی تیار تو کی گئی لیکن وہ صحیح نہیں تھی۔ اگر وہ صحیح نہیں تھی تو اسے ڈیلیور ہی نہ کیا جاتا۔ اور تو اور فنگر پرنٹ کا بھی کوئی مؤثر نظام نہیں تھا۔

سوال: رپورٹ میں الیکشن کمیشن کی بے ضابطگیوں کی نشاندہی تو کی گئی ہے لیکن یہ بے ضابطگیاں کس کے انڈر ہو رہی تھیں' اس کے بارے میں جوڈیشل کمیشن کچھ نہیں کہہ رہا؟

ایوب بیگ مرزا: اگر کوئی بے ضابطگی ہوئی تھی تو الیکشن کمیشن کے حوالے سے فیصلہ کیا جاتا اور کچھ لوگوں کو سزائیں دی جاتیں۔ غلطیوں کے حوالے سے سوالیہ نشان لگا کر آئندہ کے لیے یہ جواز دے دیا گیا ہے کہ اگر آپ سے آئندہ بھی کوئی کوتاہی سرزد ہوگی تو ہوگا کچھ نہیں۔

سوال: جوڈیشل کمیشن نے حقائق معلوم کرنے کے لیے جو طریقہ کار وضع کیا تھا' کیا وہ صحیح تھا؟

رضاء الحق: یہاں پر کچھ لیگل ایشو سامنے رکھنے پڑیں گے۔ رزلٹ مینجمنٹ سسٹم کے ذریعے الیکشن کمیشن رزلٹ عوام الناس تک پہنچاتا ہے۔ یہی واحد ذریعہ ہے جس کے ذریعے یہ پتہ چل سکتا ہے کہ کس نے کتنے ووٹ حاصل کیے' ہر پولنگ اسٹیشن کے اندر ووٹرز کی تعداد کیا رہی ہے' valid اور invalid ووٹ کتنے تھے' وغیرہ۔ اور کوئی طریقہ نہیں ہے معلوم کرنے کا۔ کسی بھی پارٹی کا اپنا انسٹیٹیوشن نہیں ہوتا۔ گورنمنٹ مشینری ہے جو کام کر کے دیتی ہے۔ جوڈیشل کمیشن نے شروع میں ہی TORs پر بات کی۔ میرے خیال میں ان کو اختیار تھا کہ اگر وہ اپنا سکوپ بنا سکتے۔ TORs کوئی بھی change کر سکتے تھے' لیکن انہوں نے وہ کرنا بہتر نہیں سمجھا۔ لہٰذا burden تمام پولیٹیکل پارٹیز کے اُوپر شفٹ کر دیا گیا کہ آپ اس چیز کی انوسٹی گیشن خود کریں اور ہمیں بتائیں کہ اس میں دھاندلی ہوئی یا نہیں۔ الیکشن کمیشن کے علاوہ کسی اور میں اتنی capacity ہی نہیں تھی کہ وہ یہ کام کر سکے۔ لہٰذا یہاں پر ایک بہت بڑا سوالیہ نشان کھڑا ہو جاتا ہے۔ اگر الیکشن کمیشن آف پاکستان کا رزلٹ مینجمنٹ سسٹم فلاپ تھا' جیسا کہ جوڈیشل کمیشن نے کہا' تو پھر individual پارٹیز اس چیز کو کس طرح ثابت کر سکتی ہیں کہ دھاندلی ہوئی؟ secondly' ہم بیلنس آف Probabilities کی بات کرتے ہیں۔ اس رپورٹ کے اندر الیکشن کمیشن کو بہت سے مشورے دیے گئے ہیں جو کہ انکوائری کمیشن کا کام نہیں ہوتا۔ انکوائری کمیشن نے تو facts find کرنے ہوتے ہیں، وہ کوئی رزلٹ نہیں دیا کرتا۔ اگر جوڈیشل کمیشن ہے تو اس کے لیے کوئی چیز طے کرنے کا پیمانہ بھی اونچا ہونا چاہیے۔ یہ Balance of Probabilities نہیں بلکہ Beyond Reasonable Doubt ہونا چاہیے۔ آپ سب عوام اور تمام پارٹیز جو وہاں پر موجود ہیں' انہیں without any doubt بتاسکیں کہ دھاندلی ہوئی ہے یا نہیں۔ کمیشن کی رپورٹ میں اس کا ذکر کہیں پر بھی نہیں ہے۔ اوور آل یہ conclusion دیا گیا ہے کہ چونکہ تمام الیکٹورل پروسیس کے اندر systematic دھاندلی ثابت نہیں ہو سکی' اس کا مطلب ہے کہ الیکشن فری اینڈ فیئر تھے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جوڈیشل کمیشن کی رپورٹ فیکٹ فائنڈنگ رپورٹ نہیں لگتی۔ اگر یہ ایک جوڈیشل انکوائری تھی تو اس کی basis پر آپ نے determine کرنا تھا کہ کس کا قصور تھا اور کس کا نہیں۔ قصور بھی determine نہیں کیا گیا ایگزیکٹلی۔ الیکشن کمیشن پر کوئی accountability بھی نہیں ڈالی گئی۔ اگر ان تمام malpractices اور مس مینجمنٹ کے باوجود الیکشن فری اینڈ فیئر ہی ہوئے ہیں' اس میں وِل آف دی پیپل کو کسی طرح بھی سب ورٹ نہیں کیا گیا تو question یہ ہے کہ الیکشن کمیشن کو اپنا طریقہ کار تبدیل کرنے کی کیا ضرورت ہے!

جوڈیشل کمیشن کا طریقہ کار یہی تھا کہ تمام پارٹیز اپنے گواہ پیش کریں۔ ان گواہوں کی testimony لی جائے گی' جس کے ساتھ ایک ایڈیشنل پارٹی الیکشن کمیشن آف پاکستان کو بنایا جائے گا۔ خود جوڈیشل کمیشن اپنے طور پر بھی کچھ لوگوں کو testimony کے لیے بلا سکتی ہے یا

پی ٹی آئی کے ارکان کو اگر پارلیمنٹ سے ڈی سیٹ کیا گیا تو اس عمل میں سارا نقصان خود پی ایم ایل (ن) ہی کا ہوگا

ایڈوائزر کے طور پر۔

ایوب بیگ مرزا: الیکشن کمیشن نے الیکشن کے انعقاد کے لیے آر اوز کی کوئی ٹریننگ ہی نہیں کی۔ مرکزی الیکشن کمیشن کا اپنے صوبائی دفاتر کے ساتھ سرے سے کوئی رابطہ تھا ہی نہیں۔ قانون یہ ہے کہ بیلٹ کی چھپوائی کے بارے میں ایک شیڈول جاری کیا جائے۔ پنجاب میں دو شیڈول جاری کیے گئے۔ جب الیکشن کمیشن سے اس بارے میں پوچھا گیا تو اس نے جان چھڑانے کے لیے جواب دیا کہ ہمیں تو ایسے کسی قانون کا پتا ہی نہیں تھا۔

سوال: آپ کے خیال میں جوڈیشل کمیشن کی رپورٹ میں کیا خامیاں اور کوتاہیاں ہیں؟

رضاء الحق: بہت سارے تجزیہ نگاروں کا جن میں لیگل ایکسپرٹ بھی ہیں، خیال ہے کہ یہ ایک نیا نظریۂ ضرورت ہے۔ آپ بہت ساری چیزوں پر اپنی ریزرویشن کا اظہار کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود الیکشن فری اینڈ فیئر تھے، یہ تو خود ایک تضاد ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تقریباً 35 فیصد فارم 15 ایسے ہیں جنہیں آر اوز نے یا تو fill ہی نہیں کیا، یا پھر پولنگ بیگز میں ڈالا ہی نہیں۔ یہ تقریباً 2 کروڑ ووٹ بن جاتا ہے، جس کے بارے میں کوئی ریکارڈ ہی نہیں۔ رزلٹ مینجمنٹ ساری اسی فارم کی basis پر ہوتی ہے۔ الیکشن کمیشن آف پاکستان کے پاس اپنی کوئی ایسی محفوظ جگہ بھی نہیں ہے جہاں پر انہیں بعد میں ٹرانسفر کر کے رکھا جا سکے۔ یہ وہ فیکٹ ہے کہ جس پر جوڈیشل کمیشن نے خود ایک کمنٹ بھی پاس کیا تھا۔ جوڈیشل کمیشن نے conclusion صرف اس basis پر دیا ہے کہ ہمارا سکوپ یہ تھا کہ ہم پورے ملک کے اندر دھاندلی کو چیک کریں، اس لیے ہم individuals اور اداروں کی نااہلی یا چند ایک جگہوں پر دھاندلی کی بنیاد پر یہ قرار نہیں دے سکتے کہ تمام ملک کے اندر دھاندلی ہوئی۔ اگر دیکھا جائے تو بیلنس آف Probabilities تو یہی بنتی ہے کہ اگر چند علاقوں پر دھاندلی ہوئی تو اس کا مطلب ہے کہ تمام جگہوں پر ہوئی ہو گی۔ برڈن چونکہ پہلے ہی سیاسی جماعتوں پہ ڈال دیا گیا تھا کہ وہ دھاندلی کو پروف کریں، اس لیے کوئی انوسٹی گیشن ٹیم بھی بنائی ہی نہیں گئی۔ simple گواہوں کی basis پر یہ تمام فیصلے کر لیے گئے۔ ان گواہوں پر قانون شہادت 1989ء بھی لاگو نہیں ہوتا کہ اگر وہ کوئی غلط بیانی کریں تو ان کو سزا دی جا سکے۔

ایوب بیگ مرزا: نجم سیٹھی جو نگران وزیر اعلیٰ تھے، انہوں نے جوڈیشل کمیشن کے سامنے کہا تھا کہ: seven to ten days before polling day میرے ہاتھ سے اختیارات ماڈل ٹاؤن شفٹ ہو گئے تھے۔ جوڈیشل کمیشن کی رپورٹ میں ان کا یہ بیان شامل ہے۔ اب نجم سیٹھی کہہ رہے ہیں کہ میں نے after the election کہا تھا۔

سوال: ایم کیو ایم اور جے یو آئی (ف) نے پارلیمنٹ سے پی ٹی آئی کے ارکان کو ڈی سیٹ کرنے کے لیے ایک قرارداد پیش کی ہے۔ کیا حکومت واقعی پی ٹی آئی کے ارکان کو ڈی سیٹ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے؟

ایوب بیگ مرزا: ایم کیو ایم کے بارے میں تو میں نہیں کہہ سکتا کیونکہ ان کی پی ٹی آئی کے ساتھ کافی مخاصمت ہے، اگرچہ مخاصمت تو جے یو آئی (ف) کی بھی ہے لیکن میں

> **جوڈیشل کمیشن کی رپورٹ کی آڑ میں اسلامی تاریخ کے قاضیوں کے فیصلوں کو رگیدنا ایک نہایت افسوسناک فعل اور بڑی زیادتی ہے**

پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ دونوں سے یہ کام میاں نواز شریف نے خود کروایا ہوگا۔ میری اگلی بات بھی سن لیں کہ اب نواز شریف اس تحریک کی مخالفت کریں گے، بلکہ میں یہاں تک کہتا ہوں کہ نواز شریف یہ فیصلہ کسی کو کرنے ہی نہیں دیں گے۔ میٹنگ بلا کر انہوں نے صرف لیپا پوتی کرنی ہے، اس لیے کہ پی ٹی آئی ارکان کو ڈی سیٹ کرنے میں سارے کا سارا نقصان کلیتاً پی ایم ایل (ن) کا ہے۔ 30 سیٹوں پر اکٹھے الیکشن کروانا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ ملک میں ایک نیا بحران پیدا ہو سکتا ہے۔ یہ محض نواز شریف کی سیاست کا ایک انداز ہے، جو کہ کافی پرانا ہے۔

ایک بڑی افسوسناک بات میرے سامنے آئی ہے کہ بعض کالم نگاروں نے جوڈیشل کمیشن کے فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے اسلامی تاریخ پر سنگ زنی کی ہے کہ مسلمان قاضی ہمیشہ حکمرانوں کے حق میں فیصلہ دیتے رہے ہیں۔ میں اس بات کی سختی سے تردید کرتا ہوں۔ یقیناً ایسا بھی کبھی ہوا ہو گا، لیکن اُس وقت جب جبر اور استبداد کا دور تھا۔ اسلامی تاریخ میں قاضیوں نے حکمرانوں کے خلاف بڑے درخشندہ اور روشن فیصلے بھی کیے ہوئے ہیں۔ اگر میں اس کی تاریخ کو صحابہ کرامؓ کے دور سے شروع کروں تو اس کے لیے ہمیں کئی پروگرام کرنا پڑیں گے۔ اسلام کا تو کیچ ورڈ ہی عدل ہے۔ اسلام میں سے اگر آپ عدل نکال دیں گے تو باقی بچتا ہی کچھ نہیں۔ اس کا سارا نظام عدل وقسط ہی پر قائم ہے۔ یہی تو ہمارے نظام کی خوبی ہے کہ اس میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ سامنے کون ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے عمل سے مثال پیش کی تھی کہ اگر فاطمہ بنت محمدؐ چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ نبی اکرم ﷺ کے اس طریقہ کار پر ہمارے بعد کے بہت سے قاضیوں نے عمل درآمد کر کے دکھایا۔ یہ بھی ہماری تاریخ میں ملتا ہے کہ حکمرانوں کے بیٹوں کو کوڑے پڑے۔ لہٰذا کمیشن کی رپورٹ کی آڑ میں اسلامی تاریخ کے قاضیوں کے فیصلوں کو رگیدنا بہت بڑی زیادتی ہے۔ کاش پاکستان میں عدل وقسط کا نظام نافذ ہوتا، تو پھر 110 غلطیوں کے باوجود فیصلہ حکمرانوں کے حق میں نہ آتا۔ اصل بات یہ ہے کہ جب تک پاکستان اپنے بنیادی نظریے کی عملی تعبیر نہیں بن جاتا اُس وقت تک اس طرح کی بے ضابطگیاں اور اقربا پروریاں ہوتی رہیں گی۔ حقیقی طور پر ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم وہ نظام عدل لائیں تاکہ اس طرح کے جھگڑے اس ملک میں نہ ہو سکیں!

☆☆☆

رفقاء متوجہ ہوں ان شاءاللہ

”قرآن اکیڈمی ڈیفنس کراچی“ میں

28 تا 30 اگست 2015ء (بروز جمعۃ المبارک نمازِ عصر تا بروز اتوار نمازِ ظہر)

☆ امراء و نقباء تربیتی و مشاورتی اجتماع

اور

29 اگست تا 4 ستمبر 2015ء (بروز ہفتہ نمازِ عصر تا جمعۃ المبارک)

☆ مبتدی تربیتی کورس

کا انعقاد ہو رہا ہے، زیادہ سے زیادہ رفقاء اس میں شامل ہوں،

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: 0332-1333395/021-34306041

المعلن: مرکزی شعبہ تعلیم و تربیت: (042)36316638-36366638

”اسلام میں سیاست سے مذہب الگ نہیں بلکہ سیاست مذہب کے تابع ہے“ بانی پاکستان

محمد فرید اسحاق

قیام پاکستان کو آج 68 سال گزرنے کے باوجود جو سب سے بڑا چیلنج درپیش ہے وہ یہ ہے کہ ہم آج تک یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ پاکستان ایک اسلامی نظریاتی ریاست ہے یا ایک قومیتی ریاست، جبکہ قائداعظمؒ نے تحریک پاکستان کے دوران متعدد مواقع پر کہا ”ہم نئے ملک کی تعمیر اور دستور سازی میں قرآن اور اسلام سے رہنمائی لیں گے۔“ ان کے قول وفکر اور علماء کرام کی تعلیمات کا ہی نتیجہ تھا کہ قرارداد پاکستان میں ریاست کے اندر اسلامی قوانین کو ترجیح دی گئی۔ مگر ہماری بدقسمتی کہ آج تک ہمارے حکمران اور مذہبی رہنما قرآن وحدیث اور قرارداد پاکستان سے رہنمائی کا کوئی میکا نزم قائم نہیں کر سکے جس کے باعث ہم پاکستان کی حیات اجتماعی کو اسلامی تعلیمات کے مطابق تشکیل دینے میں ناکام رہے ہیں۔ نتیجتاً ملک کے اندر دہشت گردی، بدامنی اور فرقہ واریت نے پنپنا شروع کیا اور آج یہ مسائل ایک تناور درخت کی شکل میں ہمارے سامنے کھڑے ہیں۔ ہم نے صرف اسلامائزیشن کی قانون سازی تو کی ہے مگر عملاً ہماری اجتماعی زندگی کی تشکیل میں اس کا کوئی خاص کردار نہیں ہے۔ اس وقت صورتحال اس حد تک بگڑ چکی ہے کہ وطن عزیز کے چاروں صوبے انتشار کا شکار اور مرکز سے نالاں ہیں، مختلف النوع قسم کے مسائل و تنازعات جنم لے رہے ہیں، گزشتہ برس ایک مقامی ٹی وی چینل نے مولانا ابوالکلام آزاد کی قیام پاکستان اور اس کے بعد کی زندگی سے متعلق پیشگوئیوں کو خوب تڑکا لگا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ قیام پاکستان کے مقاصد معدوم اور ملک ناکام ریاست بنتا جا رہا ہے۔ حقائق کم اور پروپیگنڈا زیادہ ہوتا ہے۔ پہلے پہل کچھ متنازع امور صرف مطالعاتی ایوانوں تک ہی محدود ہوا کرتے تھے اور ایک عام آدمی کئی غیر ضروری معاملات سے دور پُرسکون نیند سوتا تھا بس صرف اخبار پڑھتا تھا وہ بھی خبر یا اپنے کسی سیاسی ہیرو کے بیان کے لیے۔ مگر رفتہ رفتہ ”ترقی“ نے اچانک پاکستان پر ایک ساتھ ہی ایسی یلغار کی کہ ہر گھر میں آئین ساز، قانون دان، دانشور، مبصر، تاریخ دان، جج اور پتہ نہیں کن کن شعبوں کے ماہر ایک ڈبے کی صورت میں لا بٹھائے جنہوں نے تحریک پاکستان کے رہنماؤں اور جانثاروں کے تو بخیے ہی ادھیڑ کر رکھ دیئے۔ کوئی قائداعظم کو سیکولرازم کا سب سے بڑا داعی بتاتا ہے، کوئی کہتا ہے وہ پاکستان کو سیکولر ریاست کے طور دیکھنا چاہتے تھے، کوئی کہتا ہے علماء کا قیام پاکستان میں کوئی کردار نہیں انہیں باہر نکال پھینکا جائے، حتیٰ کہ جو جس کے ہاتھ لگ رہا ہے بس وہ غدار اور سزا وار ہے باقی رہے امپورٹڈ پاکستانی تو وہ محب وطن اور اس پاکستان کے وارث۔ رہی قربانیاں دینے والے پاکستانیوں کی پود تو اس بیچاری کو موویز، گیمز، ڈراموں اور فیس بک سے فرصت نہیں، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا مودودی اور دیگر علماء کرام اور ان کے رفقاء پر الزامات لگتے ہیں تو لگیں ان کی بلا سے، ان کا کیا جاتا ہے۔

تاریخی اوراق بتاتے ہیں کہ کسی عالم دین کو مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کی جدوجہد پر کوئی اعتراض نہیں تھا بلکہ دیکھا جائے تو مسلمانوں کے لیے برصغیر میں ایک نئے ملک کی تحریک انہی علماء نے شروع کی جو آج پاکستان کے نام سے دنیا کے نقشے پر قائم ہے۔ قائداعظم اور ان کے رفقاء انہی مخالفین کی مخالفانہ رائے سے آزادی کی نئی نئی راہیں نکال لیتے تھے۔ علماء حق کے قیام پاکستان کے موقع پر مختلف اقوال اور ان کی آراء سے متعلق اٹھائے گئے اعتراضات اور ان کے جواب انہی حضرات کی زبانی پیش خدمت ہیں۔

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے 26 اپریل 1946ء کو دہلی کے اردو پارک میں ایک بڑے مجمع سے خطاب فرمایا، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔ ”اس وقت آئینی اور غیر آئینی بحث چل رہی ہے کہ آیا ہندوستان میں مسلم اکثریت کو ہندو اکثریت سے جدا کر کے دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ قطع نظر اس سے کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ مجھے پاکستان بن جانے کا اتنا ہی یقین ہے جتنا اس بات پر کہ صبح کو سورج مشرق سے طلوع ہوگا لیکن یہ وہ پاکستان نہیں بنے گا جو دس کروڑ مسلمانوں کے ذہنوں میں موجود ہے اور جس کے لیے آپ بڑے خلوص سے کوشاں ہیں۔ ان مخلص نوجوانوں کو کیا معلوم کہ کل ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ بات جھگڑے کی نہیں سمجھنے اور سمجھانے کی ہے۔ تحریک کی قیادت کرنے والوں کے قول وفعل میں بلا کا تضاد اور بنیادی فرق ہے۔ اگر آج مجھے کوئی اس بات کا یقین دلا دے کہ کل کو ہندوستان کے کسی قصبے کی گلی میں یا کسی شہر کے کسی کوچے میں حکومت الٰہیہ کا قیام اور شریعت اسلامیہ کا نفاذ ہونے والا ہے تو رب کعبہ کی قسم میں آج ہی اپنا سب کچھ چھوڑ کے آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ جو لوگ اپنی اڑھائی من کی لاش اور چھ فٹ کے قد پر اسلامی قوانین نافذ نہیں کر سکتے جن کا اٹھنا بیٹھنا، وضع قطع، جن کا رہن سہن، بول چال، زبان وتہذیب، کھانا پینا، لباس وغیرہ غرض کوئی چیز بھی اسلام کے مطابق نہ ہو وہ دس کروڑ انسانی آبادی کے ایک قطع زمین پر اسلامی قوانین کیسے نافذ کر سکتے ہیں؟ یہ ایک فریب ہے اور میں یہ فریب کھانے کے لیے تیار نہیں۔ ہندو اپنی مکاری اور عیاری سے ہمیشہ پاکستان کو تنگ کرتا رہے گا۔ اسے کمزور بنانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا، اس تقسیم کی بدولت آپ کے دریاؤں کا پانی روک دے گا، آپ کی معیشت تباہ کرنے کی کوشش کرے گا، آپ کی یہ حالت ہوگی کہ بوقت ضرورت مشرقی پاکستان مغربی پاکستان کی اور مغربی پاکستان مشرقی پاکستان کی کوئی مدد کرنے سے قاصر ہوگا۔ اندرونی طور پر پاکستان میں چند خاندانوں کی حکومت ہوگی اور یہ خاندان زمینداروں، سرمایہ داروں اور صنعت کاروں کے خاندان ہوں گے۔ امیر دن بدن امیر ہوتا جائے گا اور غریب غریب تر۔“

(روزنامہ الجمعیہ دہلی، 28 اپریل 1946ء)

اسی طرح مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا: ”اس زمانہ میں پاکستان کی تحریک زبان زد عام ہے، اگر اس کا مطلب اسلامی حکومت علی منہاج النبوۃ مسلم اکثریت والے صوبوں میں قائم کرنا ہے تو ماشاء اللہ نہایت مبارک اسکیم ہے۔ کوئی بھی مسلمان

اس میں گفتگو نہیں کر سکتا، مگر بحالت موجودہ یہ چیزیں مقصور الوقوع نہیں اور اس کا مقصد انگریز کی حکومت کے ماتحت کوئی ایسی حکومت کو قائم کرنا ہے۔ جس کو مسلم حکومت کا نام دیا جا سکے تو میرے نزدیک یہ اسکیم محض بزدلانہ اور سفیہانہ ہے۔ اور ایک طرف برطانیہ کے لیے ڈیوائیڈ اینڈ رول کا موقع بہم پہنچا رہی ہے اور یہی عمل برطانیہ نے ہر جگہ جاری رکھا ہے۔'' (علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے جلد1 ص462)

قیام پاکستان کے بعد سے سیکولر طبقے کے شیطانی اذہان کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ موضوع بہت طویل اور ہزاروں نہیں لاکھوں صفحات کا متقاضی ہے کہ ارضِ پاک کے معرضِ وجود میں آنے سے پہلے ان بصیرت افروز علماء نے کن نقاط پر مخالفت کی تھی۔ مولانا مدنی کے مکتوبات جو مکتوبات شیخ الاسلام کے نام سے مشہور ہیں، ان میں اس بات کا تذکرہ موجود ہے کہ 1936ء کے صوبائی الیکشن میں جمعیت علمائے ہند کی مسلم لیگ کے ساتھ اتحاد کی بات چلی تھی اور جمعیت نے شرط یہ رکھی تھی کہ مسلم لیگ سے انگریز پرست، رجعت پسند اور خوشامدی ٹولے کو نکالا جائے۔ ''قائداعظم نے وعدہ کیا تھا کہ وہ سرکار پرست ٹولے کو لیگ سے علیحدہ نہ کر سکے تو خود لیگ سے علیحدہ ہو جائیں گے۔ اور یہ کبھی ممکن نہ ہو سکا۔'' غرض ان لوگوں کو پاکستان سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی بلکہ یہ سب باتیں سیاسی اختلاف کی حد تک تھیں جو کسی کو بھی ہو سکتا ہے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ انگریز کے زیرِ سایہ ہونے والی تقسیم کم از کم مسلمانوں کے لیے کبھی فائدہ مند نہیں ہو سکتی۔ پاکستان بننے کے بعد ان میں سے کسی نے بھی پاکستان کی مخالفت نہیں کی بلکہ مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے پاکستان بننے کے بعد جو کچھ کہا اور جیسی دعائیں دیں اور متعلقین کو جس طرح اس فرض کی یاد دہانی کرائی وہ ان کے ہم عصر لوگوں کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ جس کا ذکر چھیڑ دیا جائے تو سمیٹنا آسان نہیں ہوگا۔ صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ''پاکستان کے قیام کے بعد اب اس کا حکم مسجد کا سا ہے، اس کے بنانے میں اختلاف ہو سکتا ہے، بننے کے بعد اس کی تقدیس فرض ہے۔'' مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ''پاکستان وجود میں آ گیا ہے تو اب اسے باقی رکھنا چاہیے، اس کا بگڑ جانا سارے عالم اسلام کے لیے شکست کے برابر ہوگا۔'' (بحث ونظر نوائے وقت۔ 23 مارچ 1973ء)

مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ بھی چونکہ انہی کی جماعت اور تحریک کے ایک فرد تھے، اس لیے انہوں نے بھی پاکستان بننے کے بعد یہاں رہ کر اس کی بہتری کے لیے مسلم لیگیوں سے بڑھ کر کوششیں کیں اور مرتے دم تک اسلام اور پاکستان کا رشتہ جوڑے رکھنے کے لیے کوشاں رہے۔ مفتی صاحب پر یہ الزام کہ ''شکر ہے ہم پاکستان کے گناہ میں شریک نہیں تھے'' کس حد تک درست ہے؟ اس کا جواب خود مفتی صاحب نے ہفت روزہ افریشیا کو دیئے گئے انٹرویو میں دیا تھا۔ جو بات یہ لوگ کہتے ہوئے نہیں شرماتے میں سنتے ہوئے بھی شرماتا ہوں، اس بات کی حقیقت اس قدر ہے کہ محاذ کی میٹنگ میں بعض دوست آپس میں باتیں کرتے ہوئے مسلم لیگ کو کوس رہے تھے، چودھری ظہور الٰہی بھی وہاں موجود تھے۔ بات خالصتاً مذاق میں ہو رہی تھی، خود مسلم لیگ کے دوست کہہ رہے تھے کہ مسلم لیگ ہماری ماں تھی لیکن یہ ماں بھی بدکار ہو گئی اور اس کے گناہوں کی کوئی حد نہیں۔ اس پر میں نے ہنستے ہوئے کہا کہ خدا کا شکر ہے ہم اس گناہ میں شریک نہیں تھے، یہ صرف مذاق کی بات تھی۔'' (ہفت روزہ ترجمان اسلام، مفتی محمود نمبر) (4 جون 1973ء، تحفظ ختم نبوت کانفرنس لاہور)

قائداعظم محمد علی جناح کی تربیت

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ہدایت پر ان کے ساتھیوں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا عبدالجبارؒ، مولانا عبدالغنیؒ، مولانا معظم حسینؒ اور مولانا ظفر علی عثمانیؒ نے مولانا مرتضیٰ حسنؒ کی قیادت میں قائداعظم محمد علی جناح سے متعدد طویل ملاقاتیں کیں۔ نتیجتاً بانی پاکستان کے نظریات میں واضح تبدیلی آئی۔ 1934ء کے بعد کسی موقع پر انہوں نے پاکستان کو سیکولر ریاست بنانے کی بات نہیں کی، ہمیشہ قرآن کو اپنا دستور بیان کیا اور پاکستان کو اسلامی فلاحی ریاست بنانے کے عزم کا اظہار کیا۔ ان کی تقریروں میں جابجا اسلام کے حوالے ملتے ہیں، خدا کے سامنے جوابدہی کے خوف طاری ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ قائداعظم کی تقاریر کو بغور پڑھنے کے بعد اس بات کا قوی اندازہ ہو جانا چاہیے کہ 1934ء کے بعد ان کے نظریات میں ایک واضح تبدیلی نظر آتی ہے، مذہب کی جانب ان کا رجحان بڑھا اور ان کے تصور قومیت اور سیاست میں بنیادی تبدیلی نمایاں نظر آئی۔ ظاہر ہے کہ قائداعظم کوئی مذہبی شخصیت نہیں تھے اور نہ ہی علامہ اقبال کی مانند ان کی مذہبی تربیت ہوئی تھی۔ وہ ایک کھرے اور سچے مسلمان تھے، پس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے دست شفقت بڑھانے اور ان کے روحانی فیض کا اثر تھا کہ بانی پاکستان کے قلب میں اسلامی تعلیمات کا دائرہ وسیع اور شخصیت میں نکھار آ گیا۔ انہوں نے اسلامی نظام، سیرت نبوی اور قرآن حکیم کا گہرا مطالعہ کیا جس کے حوالے ان کی تقاریر میں جابجا ملتے ہیں۔ وہ قرآن حکیم پر غور وفکر کرتے تھے، اس کی گواہی نہ صرف منیر احمد منیر کی کتاب ''دی گریٹ لیڈر'' کے عینی شاہدین دیتے ہیں بلکہ جنرل محمد اکبر کی کتاب ''میری آخری منزل'' سے بھی ملتی ہے۔ گنتی کے مطابق قائداعظم نے قیام پاکستان سے قبل 101 دفعہ اور قیام پاکستان کے بعد 14 دفعہ اس عزم کا اعادہ کیا کہ پاکستان کے آئینی ڈھانچے اور نظام کی بنیاد اسلامی اُصولوں پر رکھی جائے گی اور انہوں نے یہ بات تو کئی بار کہی کہ ''قرآن مجید'' ہمارا رہنما ہے۔'' حتیٰ کہ اسٹیٹ بینک کی افتتاحی تقریر میں بھی اسلامی اُصولوں کی بنیاد پر اقتصادی نظام تشکیل دینے کی آرزو کا اظہار کیا۔ مجموعی طور پر قائداعظم پاکستان کو اسلامی جمہوری اور فلاحی ریاست بنانا چاہتے تھے نہ کہ ایک لادین سیکولر ریاست۔ افسوس تو اس بات پر ہوتا ہے کہ ہمارے سیکولر دانشوروں نے قائداعظم کی تقاریر کو پڑھا ہی نہیں اور نہ ہی ان کی روح کو سمجھا ہے۔ وہ فقط چند ایک تقاریر پڑھ کر اپنا مطلب نکال لیتے ہیں اور اس پہلو پر غور کرنے کی زحمت نہیں فرماتے کہ وقت گزرنے کے ساتھ کب اور کیسے قائداعظم کے نظریات میں تبدیلی آتی گئی اور انہوں نے مسلمانوں کے حوالے سے ''اقلیت'' سے ''قومیت'' تک کا سفر کیسے طے کیا۔ اسلام مخالف اور دین بے زار حضرات قائداعظم کو سیکولر ثابت کرتے رہتے ہیں اور ان کے علم کا حال یہ ہے کہ وہ اکثر دعوے کرتے پائے جاتے ہیں کہ قائداعظم نے کبھی پاکستان کو اسلامی مملکت بنانے کا اعلان نہیں کیا۔ یہ سطحیت کی حد ہے کیونکہ قائداعظم نے فروری 1948ء میں امریکی عوام کے نام براڈکاسٹ میں پاکستان کو ''پریمیئر اسلامک اسٹیٹ'' قرار دیا تھا۔ (بحوالہ قائداعظم کی تقاریر جلد چہارم صفحہ 1064ء تدوین خورشید یوسفی) البتہ سیکولر کا لفظ کبھی ان کی زبان سے نہیں نکلا۔ 12 فروری 1939ء کو دہلی میں شام 7 بجے علماء کا ایک وفد ان سے ملنے گیا اور اڑھائی گھنٹے ان سے سیاست اور شریعت پر تفصیلاً بات چیت ہوئی۔ ملاقات کے بعد قائداعظم نے کہا کہ ''میری سمجھ میں آ گیا ہے کہ اسلام میں سیاست سے مذہب الگ نہیں بلکہ مذہب کے تابع ہے'' (بحوالہ روئیداد

(از مولانا شبیر احمد عثمانیؒ صفحہ نمبر 7)

اس ملاقات میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے ساتھ مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب بھی تھے جن کا ذکر قیام پاکستان کے بعد آئین سازی اور علماء کے اتفاق رائے کے حوالے سے ملتا ہے۔ مختصر یہ کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نمائندے مئی 1947ء تک قائداعظم سے ملتے رہے اور ان کی دینی تربیت کرتے رہے جس کے نتیجے کے طور پر قائداعظم کا مولانا تھانوی کے گھرانے سے ایک پائیدار تعلق قائم ہوگیا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی اپنی روئیداد میں لکھتے ہیں ''ایک مجلس میں قائداعظم سے کہا گیا کہ علماء کانگرس میں زیادہ ہیں اور مسلم لیگ میں کم۔ قائداعظم نے فرمایا ''تم کن کو علماء کہتے ہو'' جواباً مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ اور مولانا ابوالکلام کا نام لیا گیا۔ قائداعظم نے جواب دیا ''مسلم لیگ کے ساتھ ایک بہت بڑا عالم ہے جس کا علم و تقدس و تقویٰ سب سے بھاری ہے اور وہ ہیں مولانا اشرف علی تھانوی جو چھوٹے سے قصبے میں رہتے ہیں مسلم لیگ کو ان کی حمایت کافی ہے'' یہی وہ پس منظر تھا جس میں قیام پاکستان کے وقت جب 15 اگست 1947ء کو پاکستان کے پرچم کی پہلی رسم کشائی ہوئی تو قائداعظم خاص طور پر مولانا شبیر احمد عثمانی کو ساتھ لے کر گئے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے تلاوت اور دعا کی اور پھر پاکستان کا جھنڈا لہرایا جسے پاکستانی فوج نے سلامی دی۔ یہ رسم کراچی میں پاکستان کے وفاقی دارالحکومت میں ادا کی گئی جبکہ مشرقی پاکستان کے صوبائی دارالحکومت ڈھاکہ میں مولانا شبیر احمد عثمانی کے بھائی اور مولانا اشرف علی تھانوی کے بھانجے مولانا ظفر احمد عثمانی نے پاکستان کا پرچم لہرایا۔

قرارداد پاکستان اور علماء ربانیین

علماء ربانیین کی تگ و تاز کا روشن پہلو 14 اگست 1947ء کو قیام پاکستان پر ہی ختم نہیں ہوا۔ جب پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے مارچ 1949ء میں ''قرارداد مقاصد'' کے عنوان سے ایک قرارداد منظور کی تو مولانا شبیر احمد عثمانی اور ان کے باہمت رفقائے کار نے اسلام کی بنیادی تعلیمات، اساسی احکامات اور اہم جزئیات کو آئین کا حصہ بنانے میں پُرجوش و پُرخلوص انداز میں حصہ لیا۔ بقول ڈاکٹر معین الدین عقیل ''وزیراعظم لیاقت علی خان نے اس قرارداد کی منظوری کو حصول آزادی کے بعد اس ملک کی زندگی کا اہم ترین واقعہ قرار دیا'' یہی وجہ ہے ''بانیان پاکستان'' بھی استخلاص وطن کی تحریک میں ان ''درویشان خدامست'' کی تائید و تسوید، کردار و عمل اور دردِ دل کی آمیزش کے کھل کر معترف و قدردان ہوئے۔ جس کا اظہار مشرقی و مغربی پاکستان میں قائداعظم کی منشا پر پرچم کشائی کا عمل ان حضرات کے بابرکت ہاتھوں انجام پایا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی نے 1945ء کے لیاقت کاظمی الیکشن میں جو کردار ادا کیا، اس پر تشکر و امتنان کے جذبات سے لبریز نوابزادہ لیاقت علی خان کا یہ خط ملاحظہ ہو'' میں انتہائی مصروفیتوں کے باعث اس سے قبل آپ کو خط نہ لکھ سکا۔ مرکزی اسمبلی کے انتخاب میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بڑی کامیابی عطا کی ہے۔ اس سلسلے میں آپ جیسی ہستیوں کی جدوجہد بہت باعث برکت ثابت ہوئی۔ آپ حضرات کا اس موقع پر گوشہ عزلت سے نکل کر میدان عمل میں آنا اور اس سرگرمی سے جدوجہد کرنا بہت موثر ثابت ہوا۔ اس کامیابی پر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں، خصوصاً حلقہ انتخاب سے جہاں ہماری جماعت نے مجھے کھڑا کیا تھا۔ آپ کی تحریروں اور تقریروں نے باطل کے اثرات بڑی حد تک ختم کر دیئے ہیں۔ اور آپ کی تحریریں، تقریریں اور مجاہدانہ سرگرمیاں آنے والی منزل کی دشواریوں کو بھی معتد بہ حد تک ختم کر دیں گی۔''

ریفرنڈم اور علمائے حق

3 جون 1947ء کے منصوبے کے تحت صوبہ سرحد اور آسام کے ضلع سلہٹ میں استصواب رائے کا فیصلہ کیا گیا۔ آزمائش کی اس گھڑی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے رہنماؤں اور سیاسی کارکنوں کو علمائے دیوبند کی شفقت اور مکمل حمایت حاصل رہی۔ یہی وجہ تھی کہ صوبہ سرحد اور ضلع سلہٹ کے مسلمانوں نے پاکستان کے حق میں فیصلہ دے کر پاکستان کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کو محفوظ بنانے میں اپنا کردار ادا کیا۔ صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں مسلم لیگ کے اعلیٰ عہدیداروں کے علاوہ پیر آف مانکی شریف، پیر زکوڑی شریف اور مولانا شبیر احمد عثمانی کی خدمات ناقابل فراموش اور لائق صد افتخار ہیں۔

قرارداد مقاصد

تقسیم ہند کے نتیجے میں اگر ایک طرف پاکستان معرض وجود میں آیا تو دوسری طرف پاکستان اور پاکستانیوں کے مسائل اور چیلنجوں کے ایک لامتناہی سلسلے کا آغاز ہونے لگا۔ انہی مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ آئین کی عدم موجودگی کا تھا۔ آئین پاکستان سے متعلق وزیراعظم لیاقت علی خان کی حکومت نے 13 جون 1949ء کو پارلیمنٹ سے ایک نہایت اہم قرارداد، قرارداد مقاصد منظور کروائی۔ یہ قرارداد مولانا شبیر احمد عثمانی اور ان کے رفقائے کار نے مرتب کی تھی۔ پاکستان کی آئین سازی کی تاریخ میں اس قرارداد کو پہلے سنگ میل کا درجہ حاصل ہے۔ اسی طرح 1973ء کے آئین میں علماء کرام مولانا مفتی محمودؒ اور مولانا شاہ احمد نورانیؒ وغیرہ کا بنیادی کردار ہے۔

☆☆☆☆

ضرورت رشتہ

☆ لاہور میں رہائش پذیر فیملی کو اپنے بیٹے، عمر 26 سال میکینکل انجینئر، برسرروزگار کے لیے بااخلاق، تعلیم یافتہ لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0300-4124534

☆ کوہاٹ میں رہائش پذیر پٹھان فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 22 سال، تعلیم ایم اے انگلش، بی ایڈ صوم صلوٰۃ اور پردے کی پابند کے لیے دینی مزاج کے حامل برسرروزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ ذات، زبان، علاقہ کی کوئی قید نہیں۔

برائے رابطہ: 0333-9643013
0331-2800557

☆ سیالکوٹ میں رہائش پذیر راجپوت فیملی کو اپنی بیٹی عمر 26 سال، فیملی راجپوت، رہائش سیالکوٹ، تعلیم بی اے، ہومیوڈاکٹر، باپردہ، سلیقہ شعار، کے لیے برسرروزگار، محنتی، تعلیم بی اے، ترجیحاً ایم اے، لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0334-8009842

دعائے صحت

☆ تنظیم اسلامی حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی کی مقامی تنظیم پشاور شہر کے ملتزم رفیق محترم خالد جمیل کے بڑے بھائی کینسر کے موذی مرض میں مبتلا ہیں۔

☆ حلقہ جنوبی پنجاب کے ناظم مالیات شکیل اسلم کی والدہ ہسپتال میں زیر علاج ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کو شفائے کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے۔ قارئین اور رفقاء و احباب سے بھی ان کے لیے دعائے صحت کی اپیل کی جاتی ہے۔

دعائے مغفرت

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

☆ حلقہ کراچی شمالی گلستان جوہر 1 کے رفیق مشتاق احمد کی والدہ وفات پاگئیں۔

☆ حلقہ ملاکنڈ بٹ خیلہ کے مبتدی رفیق قاری سید قیوم کے بھائی سعودی عرب میں روڈ ایکسیڈنٹ میں وفات پاگئے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَھُمَا وَارْحَمْھُمَا وَاَدْخِلْھُمَا فِیْ رَحْمَتِکَ وَحَاسِبْھُمَا حِسَابًا یَّسِیْرًا

آزادیٔ وطن کی کہانی......تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

قدرت اللہ شہاب کی کتاب ''شہاب نامہ'' سے چند اقتباسات

انتخاب: نعیم اختر عدنان

15 اگست 1947ء کو جب بھارت پر آزادی کی دیوی کا نزول ہوا تو امرتسر شہر نے اس ''روزِ سعید'' کو عجیب طور پر منایا۔ جان کونیل نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اُس روز سکھوں کے ہجوم نے مسلمان عورتوں کو برہنہ کر کے ان کا جلوس نکالا۔ یہ جلوس شہر کے گلی کوچوں میں گھومتا رہا۔ پھر سارے جلوس کی عصمت دری کی گئی۔ اُس کے بعد کچھ عورتوں کو کرپانوں سے ذبح کر دیا گیا، باقی کو زندہ جلا دیا گیا۔ (صفحہ 306)

☆☆☆

12 ستمبر 1947ء کو جب ایئر انڈیا کا وائی کانٹ جہاز کراچی کے ہوائی اڈے پر لینڈ ہوا تو میرا خیال تھا کہ ہم سب مسافر ارضِ پاک پر سر کے بل اتریں گے اور اترتے ہی اپنی جان اور ایمان سلامت لے آنے پر باجماعت سجدۂ شکر بجالائیں گے۔ لیکن جہاز سے نکلتے ہی ہمیں نفسانفسی کے آسیب نے دبوچ لیا اور ہم ایک دوسرے سے ٹکراتے، ایک دوسرے کو پچھاڑتے، ایک دوسرے سے دھکم پیل ہوتے اپنے اپنے سامان کی تلاش میں سرگرداں ہو گئے۔ سامان وصول کر کے ہم اُسے سینے سے لگا کر بیٹھ گئے اور آج تک اُسی سامان کو بڑھانے، سجانے، چمکانے میں دل وجان سے مصروف ہیں۔ جو سجدۂ شکرانہ کراچی ایئر پورٹ پر قضا ہو گیا تھا، سامان کے جھمیلے وہ اب تک واجب الادا چلا آ رہا ہے۔

کار جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

☆☆☆

کشمیر، بھارتی افواج اور جنرل گریسی

بھارتی افواج تو کشمیر میں 27 اکتوبر 1947ء کو صبح سے داخل ہونا شروع ہوئی تھیں لیکن ہمارے جی ایچ کیو کو ان کے اِس ارادے کی خبر ایک رات قبل ہی مل چکی تھی۔ یہ اس طرح کہ لاہور ایریا ہیڈ کوارٹر نے بھارتی پیراشوٹ بریگیڈ کا ایک خفیہ پیغام راستے ہی میں پکڑ کر اِس کے رموز پڑھ لیے تھے اور اِسے فوراً اپنے جی ایچ کیو تک پہنچا دیا تھا۔ اس روز قائداعظمؒ لاہور ہی میں موجود تھے، لیکن کسی نامعلوم وجہ سے کشمیر میں ہندوستانی فوج کے حملے کی خبر انہیں اِسی روز شام کے وقت سنائی گئی۔ فوری ردِّعمل کے طور پر قائداعظم نے پاکستان کی بری افواج کے قائم مقام کمانڈر انچیف جنرل سر ڈگلس گریسی کو حکم دیا کہ پاکستانی افواج کو بھی بلا تاخیر کشمیر میں بھیج دیا جائے۔ جنرل گریسی نے لیت ولعل کر کے قائداعظم کے حکم کی تعمیل کرنے کی بجائے نئی دہلی میں فیلڈ مارشل سر آکنلیک کو مطلع کر دیا جو اگلی صبح بنفس نفیس لاہور تشریف لے آئے۔ فیلڈ مارشل نے دھمکی دی کہ قائداعظم کی ہدایات پر عمل کرنے کی صورت میں افواج پاکستان کے تمام برطانوی افسروں کو واپس بلا لیا جائے گا جس کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ فوج کا تمام تر ڈھانچہ غیر منظم ہو جائے گا۔ اِس کے بعد قائداعظم نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو دعوت دی کہ وہ پنڈت جواہر لال نہرو، مہاراجہ کشمیر اور کشمیر کے وزیراعظم کو اپنے ہمراہ لاہور لے آئیں تاکہ 29 اکتوبر 1947ء کو ایک میٹنگ میں بالمشافہ گفت وشنید کے ذریعہ اس سنگین صورت کا حل تلاش کیا جائے۔ دعوت تو منظور کر لی گئی لیکن مقررہ تاریخ پر پنڈت جی حقیقتاً یا مصلحتاً بیمار پڑ گئے۔ اس کے بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن یکم نومبر 1947ء کو اکیلے لاہور تشریف لائے۔ قائداعظم نے ان کے سامنے کئی معقول مصالحتی تجاویز پیش کیں۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن ٹال مٹول کر کے دامن بچاتے رہے کہ وہ محض آئینی گورنر جنرل ہیں دہلی واپس جا کر وہ یہ تجاویز بھارت حکومت کے سامنے رکھیں گے اور پھر ان کے فیصلے سے قائداعظم کو آگاہ کریں گے۔ دہلی جا کر ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم کو خود تو کوئی جواب نہ بھیجا لیکن اگلے روز وزیراعظم نہرو نے آل انڈیا ریڈیو سے کشمیر کے حوالے سے پاکستان کے خلاف ایک نہایت تند وتیز اور تلخ تقریر نشر کر ڈالی جس سے بھارت کے اصلی عزائم طشت از بام ہو گئے۔ وہ دن اور آج کا دن، بھارت کے ان عزائم میں رتی بھر فرق نہیں آیا۔ (صفحہ 402،403)

☆☆☆

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کی بے حرمتی

''یہ بھی تاریخ کی ایک عجیب ستم ظریفی ہے کہ پاکستان میں آئین بنتے ہی ایک نہ ایک فوجی جرنیل اِس کا سر کچلنے کے لیے مارشل لاء کا گرز (ہتھوڑا) اُٹھائے تیار کھڑا ہوتا ہے۔ چودھری محمد علی کا آئین ایوب خان کے ہاتھوں منسوخ ہو گیا۔ ایوب خان کا آئین سات برس بعد جرنیل یحییٰ خان نے پاؤں تلے روند ڈالا۔ 1973ء کا ہمہ جماعتی متفقہ آئین بھی 1977ء میں جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء میں ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے۔ آئین کی پے در پے پامالی کے بعد وطن عزیز میں اِس افسوس ناک اور تشویشناک صورت حال کی وجہ آخر کیا ہے؟ کیا اِس کی وجہ آئین کی متواتر اور مزمن بے وقتی ہے، یا شعبۂ سیاست کی کم مائیگی و بدحالی ہے یا بری فوج کے کمانڈر انچیف کی نفسیات میں ایسے اجزا شامل ہو گئے ہیں کہ سول حکومت پر قبضہ جمانے کی ترغیب کے سامنے اس کی قوت مزاحمت جواب دے جاتی ہے؟......خدا کرے موجودہ مارشل لاء (ضیاء الحق مراد ہیں) کی حکومت ہمارے وطن عزیز میں اس طرز کی آخری حکومت ثابت ہو۔ اس کے بعد مسلح افواج برضا و رغبت اپنے پیشہ ورانہ دائرہ کار میں قناعت پذیر ہو کر ترقی اور عروج کی منزلیں طے کریں۔ (افسوس کہ قدرت اللہ شہاب کی تمنا نقش برآب ثابت ہوئی اور ایک مرتبہ پھر پرویز مشرف نے نواز شریف کی جمہوری حکومت کا دھڑن تختہ کر کے ملک کے چیف ایگزیکٹو کا عہدہ سنبھال لیا تھا) (صفحہ 886)

☆☆☆

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

The Impending Dam Disaster in the Himalayas

Recommended by: Nayyara Batool

Two of the most populous nations—China and India—are building hundreds of dams in a violently active geologic zone.

Earlier this year earthquakes in Nepal leveled thousands of buildings, killed upward of 8,500 people and injured hundreds of thousands more. The magnitude 7.8 and 7.3 temblors also cracked or damaged several hydropower projects, underscoring another imminent danger: dam bursts. More than 600 large dams have been built or are in some stage of construction or planning in the geologically active Himalayan Mountains, but many are probably not designed to withstand the worst earthquakes that could hit the region, according to a number of seismologists and civil engineers. Should any of the structures fail, reservoirs as large as lakes could empty onto downstream towns and cities. A collapse of Tehri Dam in the central Himalayas, which sits above a fault, would, for instance, release a wall of water about 200 meters high, slamming through two towns. In total, the flooding would affect six urban centers with a combined population of two million.

More powerful earthquakes are indeed likely to strike the Himalayas in coming decades, seismology models show. The Indian subcontinent is pushing under the Tibetan Plateau at roughly 1.8 meters per century, but it regularly gets stuck; when the obstruction gives way, a section of the Tibetan plate lurches a few meters southward and releases the pent-up energy in an earthquake. The Nepal earthquakes also destabilized the region to the west, notes Laurent Bollinger, a seismologist at the French Alternative Energies and Atomic Energy Commission. Destabilization makes a great earthquake, which is defined as having a magnitude of 8.0 or higher, more likely to occur sooner rather than later. Other studies indicate that the earthquakes released only a mere fraction of the stress of this fault line, which is expected to readjust with quakes of equal or higher magnitude. “Whether they'll break now, in an 8 or wait another 200 years and then give way in an 8.7, one cannot say,” says seismologist Vinod K. Gaur of the CSIR Fourth Paradigm Institute in Bangalore.

Such seismically active regions are exactly where hundreds of dams 15 meters or higher are either under construction or being planned, most of them to supply hydropower to India or China. Any dam being built during this government-funded boom, as well as those already completed, must be able to withstand the strong ground shaking of an extreme earthquake, says Martin Wieland of the International Commission on Large Dams, a group of engineers that makes recommendations for structural standards. Although every nation has its own regulations, India and China are secretive about their dam designs when it comes to public scrutiny. Independent engineers rarely are allowed to evaluate the robustness of the structures, and when they are, the results can be unsettling. For example, Tehri Dam never underwent realistic simulations, asserts Gaur, who served on its oversight committee, along with civil engineer R. N. Iyengar, formerly of the Indian Institute of Science in Bangalore. Government-affiliated scientists and engineers claim that Tehri Dam can survive an 8.5 shock, but outside experts are not so sanguine. Any of hundreds of dams could be in danger of bursting when the next big one hits. If that were to happen during monsoon season, when the dams are full, the consequences could be catastrophic.

Local corruption can complicate matters, enabling contractors to get away with using substandard materials or deviating from mandated parameters. A 2011 study published in *Nature* found that an overwhelming majority of deaths from building collapse in earthquakes

occur in corrupt countries. (*Scientific American* is part of Springer Nature.) What is more, Transparency International, a nongovernmental organization that highlights corruption, identifies public construction works as one of the world's most bribery-prone industries—with dams being of special concern. Scandals involving dam projects have roiled both India and China, to the extent that the former Chinese premier, Zhu Rongji, coined the evocative term "tofu construction" to describe a defective dike.

A handful of scientists who understand the hidden dangers of the Himalayas have taken the lead in arguing for realistic, undisguised assessments aimed at protecting the region's population, though only with limited success. In a case brought by environmentalists against Tehri Dam, the Supreme Court of India sided with government scientists to dismiss safety concerns. And in 2012 seismologist Roger Bilham of the University of Colorado Boulder was deported from the New Delhi airport, in part, he says, for his unwelcome prediction that the Himalayas can sustain a magnitude 9.0 earthquake. Bilham contends that the Indian government has since discouraged foreign collaborations in seismology.

For now, all concerned parties can do is call attention to the problem. "Sunshine is the best disinfectant," says Peter Bosshard of International Rivers in Berkeley, Calif. "Without public scrutiny, it is much easier to get away with cutting corners." Given the stakes, more than sunshine will be necessary: the next great earthquake in the area may well result in a man-made tsunami.

<u>Courtesy:</u> ***http://www.scientificamerican.com/***

<u>Editor's Note:</u> It would not be far-fetched to assume that the series of floods that have hit Pakistan hard in the last few years have been a consequence of the same syndrome, apart from mismanagement on our part and the wrath of Allah *(SWT)* on us - a 'rebellious' nation.